مدیر
مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی
معاون
مولانا رضوان احمد ندوی

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار

نقیب

پھلواری شریف پٹنہ

اس شمارہ میں
خصوصی شمارہ
سیرت
رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

جلد نمبر/59 جلد نمبر 59/69 شمارہ نمبر 43 مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱ نومبر ۲۰۱۹ء روز سوموار

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ بانی مسلم پرسنل لا بورڈ

سرور دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنا مسلمان کے ایمان کا جز ہے، کلمۂ شہادت جس کی قلبی تصدیق کا دوسرا نام ایمان ہے، اسکے دو جز ہیں، پہلے جز میں حق تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار اور غیر اللہ سے اس کی نفی اور دوسرے جز میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اور رسالت کا اعتراف ہے، یہی کلمہ ایمان کا تخم ہے، جب یہ بیج انسان کے دل میں پڑتا ہے اور قلب کا یقین اسے قبول کر لیتا ہے تو وہی پودا اسلام کا تناور اور سایہ دار درخت بن جاتا ہے، جس کے سایہ میں انسان کو دنیا اور آخرت کا آرام نصیب ہوتا ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ایمان کا بیج ہے، جو ہر مسلمان کے دل میں پڑا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان کی حلاوت اور اس کی چاشنی نصیب ہی نہیں ہوسکتی ہے۔

ایک حدیث میں خصوصیت سے ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین تم میں سے کوئی مومن کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ میں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے نزدیک باپ بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے جو تعلق ہوسکتا ہے ان میں سب سے گہرا تعلق وہ ہے جو باپ بیٹے کے درمیان ہوتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان سب سے زیادہ ہونی چاہئے، ایک امتی کا تعلق اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تمام انسانی تعلقات سے بالا ہے حتی کہ خون کے رشتہ سے بھی کہیں بلند و برتر ہے، اگر ایسا نہیں تو دعوی ایمان و اسلام قابل غور ہوگا، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ محبت کے اس تخم کی پرورش کرے اور ہر وقت اعمال صالحہ اور اتباع سنت کے ذریعہ اس محبت میں اضافہ کی کوشش کرتا رہے، تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ اسکا دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہو، العیاذ باللہ اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کے لئے کوئی جگہ ہو، ایک مسلمان کے بارے میں یہ چیز سوچی ہی نہیں جاسکتی، حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ ثلث من کن فیہ وجدہ بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سوا ھما من احب عبد الا یحبہ الا للہ و من یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار (تین چیزیں جس میں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو پاسکتا ہے، ایک یہ کہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کا تعلق صرف اللہ ہی کے لئے ہو، تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اس کے نزدیک اتنا ہی تکلیف دہ ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مسلمانوں کی پونجی ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ ضائع ہوئی تو دین و دنیا دونوں برباد ہے، یہی محبت انسانیت کے امراض کا علاج ہے، اسی محبت کے ذریعہ انسان میں وہ جوہر پیدا ہوتا ہے جو حق تعالیٰ کو مطلوب ہے، یہ محبت ایک بھٹی ہے، جو انسان کے کھوٹ کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، اور انسانیت کندن بن کر سامنے آجاتی ہے، جب اس محبت کی آگ دل میں سلگتی ہے تو ہر بن موسے یہ صدا بلند ہوتی ہے۔

میرے بھائی! ظاہر ہے محبت ایک قلبی کیفیت ہے، اس مادی کائنات میں کوئی ایسا پیمانہ ایجاد نہ ہوا جس میں اس کیفیت کو وزن کیا جاسکے، اور نہ کوئی تھرمامیٹر نکلا جس سے محبت کی حرارت کا اندازہ لگایا جاسکے، ہاں ایک پرانا پیمانہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) کا موجود ہے اس کے ذریعہ محبت کی مقدار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنے کی کھلی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور لائے ہوئے دین کی اتباع اور پیروی ہے یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم خدا اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جذب و بے خودی تو ایک اضطرابی کیفیت ہے اس سے گفتگو نہیں اگر چہ یہ بھی اسی وقت قابل توجہ و لحاظ ہے جب کہ اس کی اتباع و پیروی سے ہوئی ہو لیکن عام حالات میں اور عقل و ہوش کے رہتے ہوئے محبت کو محبوب کی مرضیات کا تابع ہونا چاہئے ہر چیز کو محبوب کی نگاہ سے دیکھنا ہی محبت ہے، عاشق وہ ہے کہ محبوب کا دوست اس کا دوست، اور محبوب کا دشمن اس کا دشمن ہو، اس کی دوستی بھی محبوب کے لئے ہو اور عداوت بھی محبوب ہی کی خاطر، من احب للہ وابغض للہ فقد استکمل الایمان جس نے اللہ کے لئے کسی چیز کو پسند کیا اور اسی کیلئے عداوت کی اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے راستے سے ہٹ کر محبت کرنا تو اصل میں عداوت ہے یا پھر غلط علم اور قربت نفس کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

محبت ایک قلبی کیفیت ہے، اس مادی کائنات میں کوئی ایسا پیمانہ ایجاد نہ ہوا جس میں اس کیفیت کو وزن کیا جاسکے، اور نہ کوئی تھرمامیٹر نکلا جس سے محبت کی حرارت کا اندازہ لگایا جاسکے، ہاں ایک پرانا پیمانہ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو) کا موجود ہے اس کے ذریعہ محبت کی مقدار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت رکھنے کی کھلی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور لائے ہوئے دین کی اتباع اور پیروی ہے یہی ایک ذریعہ ہے جس سے ہم خدا اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جذب و بے خودی تو ایک اضطرابی کیفیت ہے اس سے گفتگو نہیں اگر چہ یہ بھی اسی وقت قابل توجہ و لحاظ ہے جب کہ اس کی اتباع و پیروی سے ہوئی ہو لیکن عام حالات میں اور عقل و ہوش کے رہتے ہوئے محبت کو محبوب کی مرضیات کا تابع ہونا چاہئے ہر چیز کو محبوب کی نگاہ سے دیکھنا ہی محبت ہے، عاشق وہ ہے کہ محبوب کا دوست اس کا دوست، اور محبوب کا دشمن اس کا دشمن ہو، اس کی دوستی بھی محبوب کے لئے ہو اور عداوت بھی محبوب ہی کی خاطر۔

جن لوگوں کی تاریخ اسلام پر نظر ہے وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ محبت کے نام سے کیسی کیسی گمراہیاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں داخل ہوئی ہیں، یہ گمراہی زیادہ تر محبت و تعظیم میں غلو اور افراط سے پیدا ہوئیں، اور اس لئے پیدا ہوئیں کہ ہم نے محبت و تعظیم میں شریعت اور سنت کو نظر انداز کر دیا، ہمارا فرض ہے کہ محبت کے سلسلہ میں بھی اعتقادی اور عملی غلو و افراط کی بیماری سے محفوظ رہنے کی پوری سعی کریں، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہر وقت پیش نظر رہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے نکل گیا ما شاء اللہ او شئت (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تنبیہ کی اور فرمایا: جعلتنی للہ ندا ماشاء اللہ وحدہ (تم نے مجھے اللہ کے برابر بنا دیا، بلکہ یہ کہو کہ جو تنہا خدا چاہئے) اسی طرح دوسرے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: لایستھوینکم الشیطان انا محمد بن عبد اللہ وعبد اللہ ورسولہ ما ارید ان ترفعونی فوق منزلتی (تمہیں شیطان بہکا نہ دے میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں نہیں چاہتا ہوں کہ مجھے اس درجہ سے بلند کرو جس پر مجھے خدا نے رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر محتاط تھے اور کس طرح آپ نے انسان کے ذہن کو افراط اور غلو کے گمراہی سے دور رہنے کی تعلیم فرمائی اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجئے جو احادیث میں مروی ہے، جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی اسی دن اتفاق سے سورج کو گہن لگ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ کہیں غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ سورج میں گہن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کے وصال کی وجہ سے لگا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت منادی کرائی، لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور اعلان کیا ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لاینکسفان لموت احدٍ ولا لحیاتہ (آفتاب و ماہتاب اللہ کی بے شمار نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں کسی کی زندگی اور موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

بہر حال اللہ اور اس کے رسول کی محبت مسلمانوں کی سب سے زیادہ قیمتی پونجی ہے اللہ تعالیٰ سبھوں کو اس نعمت سے سرفراز کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کی توفیق دے اور محبت و تعظیم میں غلو اور افراط کی گمراہی سے بچائے (آمین)

اللہ کی باتیں -- رسول اللہ کی باتیں

مولانا رضوان احمد ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اخلاق

پھر یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم خو ہیں، اگر آپ تُند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ لئے ہوتے ،لہٰذا آپ انہیں معاف کردیں، ان کے لیے مغفرت کی دعاء کریں اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیا کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیں (سورۂ انفال: ۱۵۹)

تشریح : صحابۂ کرام کو اللہ کے رسولؐ سے غیر معمولی محبت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، اور آپ کے ہر حکم پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ رکھتے تھے، ایک صحابی سے ان کے شہید کئے جانے کے وقت معلوم کیا گیا کہ بتاؤ کیا تمہاری جگہ محمدؐ کو شہید کردیا جائے تم اس پر راضی ہو؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا بھی چبھے ہم کو یہ بھی گوارہ نہیں چہ جائیکہ ان کو شہید کردیا جائے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو واقعی ایسی ہی محبت تھی؛ لیکن غزوہ احد ۳ھ کے موقع پر آپ نے جن اصحاب کو مورچہ سنبھالنے کے لیے متعین کیا تھا ان میں سے بعض صحابہ نے سمجھا کہ اب جنگ جیت گئے ہیں اس مقام کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ پہونچا، غم و فکر سے نڈھال ہوگئے، باوجودیکہ آپ طبعی طور پر عفو و درگذر سے کام لیا کرتے ہیں کسی سے کوئی معاملہ سختی کا نہیں کرتے ہیں، پھر بھی اللہ نے اپنے حبیب کے ساتھیوں کی دلجوئی کرنے کی خاطر اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی خطاؤں کو درگذر کرنے اور دل سے معاف کردینے کی تلقین کی اور باہمی مشورے سے معاملات کو حل کرنے کی تعلیم دی، گویا اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے پیغمبر کی تعریف و توصیف اور عظمت شان کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے بارے میں کہا کہ آپ تو نرم خو ہیں، خوش اخلاق، خوش گفتار ہیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کے اردگرد جمے رہتے ہیں اگر آپ کے اندر اوصاف نہ ہوتے تو اصلاح کا کام متاثر ہوتا، آپ کا یہی وہ کردار ہے جو درحقیقت اسلام کی نشر و اشاعت میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے، اپنے ذاتی معاملہ میں کتنی ہی ناگوار خاطر بات ہوجائے، نہ پیشانی پر شکن آتی اور نہ دل میں کوئی میل آتا، یہ بھی خدا کی ایک بہت بڑی رحمت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق اصولوں کے اعلیٰ معیار کے حامل اور مبلغ ہونے کے طور پر پیش کیا گیا "**وانک لعلیٰ خلق عظیم** " ایک عظیم شہادت اخلاق محمدیؐ کے لیے ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سیرت کو دنیا کے تمام انسانوں کے لیے اسوہ بنایا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ داعی کو نرم گفتار اور نرم خو ہونا چاہیے، ورنہ بجائے اس کے کہ لوگوں میں اس کی دعوت کے تئیں الفت و محبت پیدا ہو، نفرت پیدا ہوجائے گی اور ارشاد و تبلیغ کا کام بے اثر ہوجائے گا، تندخوئی اور سخت کلامی سے دلوں میں کدورت اور بعد و دوری پیدا ہوتی ہے، اس لئے اسلام نے داعی کو عبادت کے ساتھ ساتھ علم و اخلاق کے زیور سے آراستہ رہنے کی تعلیم دی؛ کیونکہ تینوں عناصر سے مل کر انسان کا وجود مکمل ہوتا ہے، عبادت، دل کی غذا ہے، علم، ذہن اور دماغ کی غذا ہے اور اخلاق، دل و دماغ دونوں کی غذا ہے چنانچہ رسول اکرمؐ نے میزان عمل میں سب زیادہ باوزن اخلاق کو قرار دیا صحیح مسلم شریف میں ہے کہ "**البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک وکرھت ان یطلع الناس علیه** " نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ اسے جانیں، اور آپؐ نے ایسا کر کے دکھلایا، اس لیے یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج کا انسان جن تشویشناک اور کربناک حالات سے دوچار ہے ان سے نجات پانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو زندگی کا اثاثہ بنالے اور یقین جانے کہ اسی سے اس کی دنیا میں ترقی و خوشحالی آئے گی اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہوگی۔

مذکورہ آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کی دلجوئی فرمائی کہ حضورؐ ان سے درگذر بھی کریں ان کے حق میں دعاء مغفرت بھی کریں اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ بھی کریں، معلوم ہوا کہ اہم مسائل و معاملات میں امام و امیر کو اپنے رفقاء کار سے مشورہ کرتے رہنا چاہئے اور ان کے مشورہ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں جو بات ڈالیں اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی پر عمل پیرا ہوجائیں، گویا لوگوں کا اعتماد امیر پر ہو اور امیر کی نظر اللہ پر ہو، خدا ہم سب کو اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق بخشے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت

حضرت صفوان بن قدامہ فرماتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا دست مبارک دیجئے کہ میں آپ سے بیعت کرلوں، آپ نے اپنا دست مبارک عنایت فرمایا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے آپ سے محبت ہے، تو آپ نے فرمایا "**المرء مع من احب** " آدمی جس سے محبت کرے گا اس کے ساتھ ہوگا (ترمذی شریف)

وضاحت : محسن انسانیت سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے سچی محبت تمام مسلمانوں کا عزیز ترین سرمایہ ہے، ہر صاحب ایمان آپ کے لائے ہوئے دین پر جان و مال عزت و آبرو سب کچھ قربان کرسکتا ہے؛ مگر کسی بھی حال میں اس پر آنچ نہیں آنے دے گا، صحابہ کرام سے لیکر اب تک تمام سچے اور پکے صاحب ایمان نے یہ کر دکھایا، ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ قیامت کب آئے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نماز، روزہ، صدقات و زکوٰۃ کی کثرت کر کے کوئی بڑی تیاری تو نہیں کی ہے؛ البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**انت مع من احببت** " تم اسی کے ساتھ رہوگے جس سے تمہیں محبت ہے، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے بعد ہم کو جو خوشی ہوئی وہ اسلام کے بعد کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔ **(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)**

محسن انسانیت کا پیغام امن

آج پوری دنیا نت نئے مسائل سے دوچار ہے، یہ مسائل مختلف نوعیّتوں کے ہیں، لیکن سب ایک دوسرے سے مربوط ہیں، کہیں تو میں طبقاتی کش مکش میں مبتلا ہیں تو کہیں وہ سماجی ناہمواری اور اقتصادی و معاشی بحران کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے عام انسانی برادری اضطراب و انتشار اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے، اگر اس کو کچھ سکون و پناہ مل سکتی ہے تو صرف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہی مل سکتی ہے اور اسی سے وہ کامیابی کی بلندیوں پر پہونچ سکتی ہے، ایسے پر آشوب حالات میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے داعیانہ کردار کو بروئے کار لائے، اور انسانیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بخش پیغام سے رشناس کرائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات سے سسکتی و کراہتی انسانیت مصائب کے دلدل سے نکل سکے اور امن و سکون کی راہ پر گامزن ہو، سب سے پہلے خود مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کو اپنی زندگی کے سانچے میں ڈھالے اور ان کے طریقہ زندگی کے مطابق زندگی گذارے پھر دوسرے حق کے متلاشیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنے اور اس کو اپنانے پر ابھارے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ "طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے؛ جس کی نگاہ کے سامنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اس کے سامنے حضرت نوحؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام سب کی سیرتیں موجود ہیں گویا تمام دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا میں سب سے بڑا بازار ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شئی کے طلب گار کے لیے بہترین سامان موجود ہے (خطبات مدراس۔ص: ۹۸)

جب محسن انسانیت کی بعثت ہوئی تو اس وقت دنیا بالخصوص عرب کا معاشرہ مفسدانہ نظام کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، قبائلی منافرت اور اخلاقی گراوٹ کے آخری دھانے پر تھا، بلکہ یوں کہیے کہ فساد و تباہی کی تمام اقسام کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، آپؐ نے نصرت خداوندی سے امن عالم کا پیغام سنایا، ان کے اندر نور حق اور شمع ہدایت کی لو جگائی جس کی شعاعیں اتنی تیز تھی کہ فطرت انسانی کے دل کی آنکھیں کھل گئیں، حق کا بول بالا ہوا اور باطل کا منہ کالا ہوا، "**ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون**" حق آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔

ولد الھدیٰ فالکائنات ضیاء
وفم الزمان تبسم وثناء

نور ہدایت نمودار ہوا اور ساری کائنات روشن ہوگئی، زمانہ اس نور ہدایت کی تعریف میں رطب اللسان ہے اور مسرتوں سے لبریز ہے، البتہ کچھ بدباطن نے عناد و سرکشی کی راہ اختیار کی جس کے نتیجہ میں ابوجہل و عتبہ جیسے سرپھندوں کو منہ کی کھانی پڑی؛ مگر جس نے اس راز کو سمجھ لیا اس کی اخلاقی اقدار یں بلند ہوگئیں اور وہ کامیابیوں کی بلندیوں تک جا پہونچے اور جب انسانیت نے حضورؐ کے پیغام امن کو فراموش کردیا تو ذلت و نکبت ان کی مقدر بن گئی، جرمنی میں اسی نسلی غرور اور خاندانی عصبیت نے انسانوں کو جنگ میں جھونک دیا، جنوبی افریقہ کے سیاہ فام باشندوں کو اسی نسلی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا، اسی تصور نے ہندوستان کے برہمنوں اور شدروں میں امتیاز کی آہنی دیوار کھڑی کردی، ہندوؤں کی مذہبی کتاب منوسمرتی میں ہے کہ جو شخص برہمن کے مقابلہ میں مزاحمت کرے اس کو سوکھی لکڑی کی طرح الٹا لٹکا کر جلا دیئے، مگر قربان جائیے محسن انسانیت کی روشن اور واضح تعلیمات پر کہ آپ نے فرمایا "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں، مساوات و برابری کے اس پیغام سے سسکتی انسانیت میں نئی جان آگئی۔

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

امن عالم کو برباد کرنے میں ظلم و تشدد اور قتل و غارت گری سب سے بڑا عوامل رہا ہے، اسی لیے نبی رحمتؐ نے انسانی معاشرہ کو اخلاقی اصولوں کے ساتھ زندگی گذارنے اور بدامنی کو روکنے کی ترغیب دی، اور تاکید کی کہ جو اخلاقی قدروں کو پامال کرے گا کسی کی عزت و آبرو اور جان و مال کی تلف کرنے کی کوشش کرے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہوگا، آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ شخص ہے جو بلا وجہ کسی کا خون بہاتا ہے" (ترمذی شریف) اس کے لیے آپؐ نے ربانی ہدایات کے مطابق قانونی تعزیرات کا خوف دلایا جس کے لیے قرآن مجید نے عبرتناک سزائیں مقرر کیں، اگر چوری کرنے والے کو یہ احساس ہوجائے کہ چوری کرنے کے نتیجہ میں وہ ہمیشہ کے لیے ایک ہاتھ سے محروم ہوجائے گا؛ تو وہ اپنے ہاتھ کی حفاظت کے لیے چوری کی جرأت نہ کرے گا، زنا کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے اور قتل کی سزا گردن زنی ہے، اگر کوئی کسی پر دست درازی کرتا ہے؛ تو وہ بھی ایسی ہی سزا بھگتے گا، اس خوف سے ظالم اپنے ظلم سے باز رہے گا اور معاشرہ میں امن و سلامتی کی فضاء قائم رہے گی۔

گویا یہ سزائیں اگر ایک طرف جرم کی جسارت کی کمر توڑتی ہیں تو دوسری طرف درس و عبرت کا سامان فراہم کرتی ہیں، اگر دنیا کے شر پسند عناصر کے دلوں میں اس طرح کا خوف پیدا ہوجائے تو اس طرح کے شر و فساد کو روکا جاسکتا ہے اور عام شہریوں اور بے قصور لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہ سکتی ہے، غرض کہ انسانی دنیا کو امن و امان سے ہم کنار کرنے، انتشار و بدامنی کو ختم کرنے، ظلم و ستم کا قلع قمع کرنے میں جو کردار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی تعلیمات نے ادا کیا وہ تاریخ انسانیت کا ایک روشن باب ہے اور اسی میں انسانیت کے لیے نجات ہے۔ اسی مضمون کو قرآن کریم نے بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے: "**و لکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب.**" (اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔)

امارت شرعیہ بہار اڑیسہ وجھارکھنڈ کا ترجمان

ہفتہ وار نقیب پھلواری شریف، پٹنہ

پھلواری شریف

جلد نمبر 59/69 شمارہ نمبر 43 مورخہ ۱۳؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍نومبر ۲۰۱۹ء روز سوموار

میثاق مدینہ

اللہ رب العزت نے مدینہ کے لوگوں کے قلوب کو قبول حق کے لیے کھول دیا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، رفیق سفر بننے کا شرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حصے میں آیا۔ تین دن غار ثور میں آپؐ نے قیام فرمایا، قرآن کریم کی آیت ''ثانی اثنین اذ ھما فی الغار'' میں اس واقعہ کا ذکر موجود ہے، وہاں سے سفر شروع ہوا تو راستہ میں قبا میں قیام کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لیے رخت سفر باندھا۔

مدینہ پہونچنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی فیصلے اور نبوی بصیرت کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا، حالات کا تقاضہ تھا کہ فوری طور پر مدینہ کے باشندے اور قبائل کے ساتھ ایک معاہدہ ''بقاء باہم'' کے اصول پر کیا جائے، یہ ''بقاء باہم'' کا اصول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر حکمت عملی کا ایک حصہ تھا جس کے نتیجے میں ایک طرف وہاں کے مقامی باشندوں کو یقین دلانا تھا کہ مسلمانوں کا وجود ان کے لیے خطرہ نہیں ہے، دوسری طرف مہاجرین کو نفسیاتی طور پر مطمئن کرنا تھا کہ یہاں کے حالات مکہ سے مختلف ہوں گے اور درد وکرب، ظلم وستم کا دور اب ختم ہونے کو ہے، مدینہ کے مسلمان جو انصار کہلاتے تھے، ان کے فراخ دلانہ تعاون، جذبۂ ایثار اور ان کے درمیان مواخات کے قیام سے اس احساس کو مزید تقویت ملی، سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مسلمانوں کو بلا رکاوٹ تبلیغ اسلام کی اجازت چاہیے تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک معاہدہ وجود میں آئے، چنانچہ ۶۲۲ء میں ہجرت کے چند ہی ایام کے بعد ایک معاہدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود اور قبائل سے فرمایا، جسے ''میثاق مدینہ'' کے نام سے تاریخ میں یاد کیا جاتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے اس معاہدہ کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے کہ یہ پہلا تحریری معاہدہ ہے؛ جو بقاء باہم کے اصول پر مرتب کیا گیا اور جس کے نتیجے میں اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی اور مدینہ کے تمام باشندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے طور پر تو نہیں؛ لیکن حکمراں اور فیصل کے طور پر قبول کرلیا۔

اس دستور نے تکثیری سماج میں زندگی گذارنے کے ایسے اصول دنیا کو دیئے جن پر آئندہ مغرب نے اپنی حکمرانی کی بنیاد رکھی، چنانچہ اس دستور کے پانچ سو تراسی سال بعد 1215ء میں انگلستان کے کنگ جان King John نے محضر کبیر Magna Carta پر دستخط کیا، کہنا چاہیے کہ یہ جدید مغربی دنیا کا پہلا آئین ودستور تھا، اس کے بعد مغرب میں جہاں داری اور جہاں بانی کے لیے دوسرا دستور ۱۶؍دسمبر ۱۶۸۹ء میں آئینی حقوق Bill of right کے نام سے وجود میں آیا، اسی طرح The act of settelment 01-1700 اور 1911 میں The parliament Act نے مغرب کو آئین ودستور کی حکمرانی کے لئے اساس اور بنیاد فراہم کیا، امریکہ اس میں بہت پیچھے رہا، اس نے 1787 میں Contitutional Convention کے ذریعہ اس کام کو شروع کیا جب کہ فرانس میں آئین کی منظوری قومی اسمبلی کے ذریعہ 1791 میں ہوئی، اور عام آدمی کو ان آئین ودستور سے بہرہ ور ہونے میں صدیوں لگ گیے۔

میثاق مدینہ کی ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ پورا دستور صرف سات سو تیس الفاظ پر مشتمل ہے، جبکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں امریکہ کے جس دستور کو مثالی قرار دیا جاتا ہے، اس میں سات ہزار الفاظ ہیں، میثاق مدینہ کی جامعیت کا حال یہ ہے کہ اس میں تمام طبقات کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور اسلامی فلاحی ریاست کی حقیقی بنیادوں کو پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اپنی جامعیت، اثر آفرینی، مقبولیت اور مکمل ہونے کی وجہ سے صرف دس سال کے عرصہ میں اس نے عام انسانوں کے دلوں میں جگہ بنالی اور پوری اسلامی مملکت کے اصلی خدوخال اسی کے روشنی میں تیار ہوئے۔ اس معاہدہ کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ کی پوری آبادی؛ خواہ اس کا تعلق کسی قبیلے اور مذہب سے ہو، ایک سیاسی لڑی میں پرودی گئی، برسوں سے چلی آرہی لاقانونیت اور طوائف الملوکی کی جگہ ایک مستحکم اور مضبوط سیاسی اتحاد کی داغ بیل پڑ گئی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی دعوت وتبلیغ کے ساتھ اس سیاسی وحدت کی سماجی، عسکری قانون اور عدالتی امور کا مرکز ومحور بن گئی، جس کی وجہ سے ایک ایسی حکومت وجود پذیر ہوئی، جسے داخلی اور خارجی طور پر دشمنوں سے گزند پہونچنے کا اندیشہ محدود ہوگیا، خود اسلام کو اس معاہدے کے نتیجے میں ایک مضبوط جماعت تسلیم کرلیا گیا؛ جس کی وجہ سے اسلام کی اشاعت اور فروغ میں مدد ملی اور اس مذہب کا شمار مضبوط حکومت کے حامل کے طور پر کیا جانے لگا، جس کی قیادت صلح جو، اعلیٰ ظرف اور معتدل مزاج حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اس معاہدہ نے جو دیرپا اثرات چھوڑے اور اس کی وجہ سے جو سیاسی فوائد حاصل ہوئے، اس کی وجہ سے مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اس قدم کی بڑی تعریف کی ہے، ان مفکرین میں تھامس آرنلڈ، آر اے نکلسن (R.A. Nicholsan) جے، ول ہاسن (J.Well Hausen) فرانس بہل (Fratns Buhl) ماؤرس گاڈفرائے دی مامبائز (Maurice Gaudferoy demombyness)، سرجان بیگٹ گلب (Sir Jhn Bagot Glubb) روبن لیوی (Reuben Levey) جوزف ہیل (Joseph Hell) جی ام ڈری کاٹ (G.M. Draycott) ہیوکینڈی (Hugh Kennedy) ٹروڈ الہلرٹ (Trude Ehlert)، ولیم تھامسن (William Thomson) ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) منٹگری واٹ (Q.Montgomery Watt) کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان حضرات نے میثاق مدینہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معاہدہ کی وجہ سے قوت وطاقت کا مرکز قبیلہ کے بجائے قوم کو قرار دیا گیا، قبائلی زندگی کے اختتام اور مذہبی وحدت کے استحکام کے لئے یہ ایک انقلابی قدم تھا، جو بھی اس دستاویز کا مطالعہ کرے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بصیرت، دوراندیشی اور طویل حکمت عملی کا معترف ہوگا، اس معاہدہ کی رو سے پہلی بار حاکمیت اللہ کے لیے اور تنفیذی قوت وپاور کا سرچشمہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا، اس طرح پیغمبر کی ذات روئے زمین پر حکومت کی واحد مجاز قرار پائی، اس کی وجہ سے مذہب وسیاست کی دوئی ختم ہوگئی اور ایک کے مقاصد دوسرے کے مقاصد سے ہم آہنگ قرار پائے۔ اس معاہدہ کی وجہ سے خارجی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں پر روک لگانے کے لیے ایک مؤثر محاذ قائم ہوگیا، اور داخلی طور پر یہودیوں کی منافقت کے باوجود خارجی دنیا نے اس محاذ کی طاقت کو محسوس کیا اور اسلام کو مٹانے کے درپے رہنے والے بھی یہ سوچنے پر مجبور ہوگیے کہ ان کو ختم کرنا آسان نہیں ہے، اب یہ باپ دادا کے دین سے پھرے ہوئے لوگ نہیں تھے؛ بلکہ ان کی مذہبی اور سیاسی قیادت مسلم ہوگئی تھی، اس پس منظر میں دیکھیں تو یہ معاہدہ، اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی اور اس کے ارتقا کا بھی مظہر ہے۔

میثاق مدینہ دو حصوں پر مشتمل ہیں اور اس کے ۵۹ دفعات ہیں، پہلے حصے میں انصار ومہاجرین سے متعلق امور پر روشنی ڈالی گئی ہے، جبکہ دوسرے حصہ کا تعلق مدینہ میں رہنے والے یہودی قبائل سے خاص ہے، پہلے حصے میں مسلمانوں کو رضا کار، آپس میں امن واتحاد کے قیام اور بصورت اختلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصل ماننے کی بات کہی گئی ہے، انصار ومہاجرین کے حقوق وفرائض مساوی قرار دیے گیے ہیں اور فوجی خدمت کو ہر ایک کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں یہودیوں کو مذہبی آزادی فراہم کرنے کے ساتھ مدینہ پر حملہ کی صورت میں دفاع کی ذمہ داری انہیں بھی دی گئی ہے، قتل ناحق کو ہر ایک کے لیے مستحق سزا قرار دیا گیا ہے، تمدن اور ثقافتی معاملات میں ہر قبیلہ کو برابر حق دیا گیا، طے پایا کہ یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف ہو کر لڑائی اور صلح دونوں میں شریک قرار پائیں گے، ہر فریق آپ کی قیادت وسیادت کو تسلیم کرے گا، اور آپ کی حیثیت نزاعی معاملات میں حکم کی ہوگی یہودی قریش مکہ اور ان کے حلیف قبائل کی مدد سے گریز کریں گے، اور کسی فریق کے مذہبی اور اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی، مدینہ میں کوئی فریق کسی سے دست وگریباں نہیں ہوگا۔

اس میثاق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصل ہونے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، یہ ایک ایسا متوازن، تحریری دستور اور مستقل آئین ہے، جس میں حکومت کی اخلاقی اساس، تقسیم اختیارات، قانون کی حکمرانی اور بالادستی کا خاص خیال رکھا گیا ہے، اس دستور کی رو سے مدینہ کو دار الامن قرار دیا گیا، مخالفین کی سازشوں کے تدارک کی شکلیں بتائی گئیں، بنیادی انسانی حقوق، مذہبی آزادی کے ساتھ اقلیتوں اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی، معاشی کفالت کے ساتھ، مقامی رسوم وقوانین کو بھی یک گونہ مان لیا گیا، اس لیے صدیوں سے چلا آرہا ''تنازع للبقاء'' کا معاملہ ختم ہوا اور دنیا نے پہلی بار دیکھا کہ زندگی ''بقاء باہم'' کے اصول پر زیادہ مستحکم انداز میں گذاری جاسکتی ہے۔

خصوصی تربیتی اجلاس

امارت شرعیہ بہار اڈیشہ وجھارکھنڈ کی طرف سے ضلع وار خصوصی تربیتی اجلاس کا جو سلسلہ گذشتہ سال شروع کیا گیا تھا اور چھ اضلاع مغربی چمپارن، مشرقی چمپارن، دربھنگہ، مدھوبنی، مظفر پور اور سیتامڑھی میں جس کا انعقاد کیا گیا تھا امسال اس سلسلے کو امیر شریعت مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی دامت برکاتہم کے حکم وہدایت پر کوسی ڈویژن کے تین اضلاع مدھے پورہ، سوپول اور سہرسہ تک دراز کیا گیا، ۲؍تا ۷؍نومبر ۲۰۱۹ء منعقد ہونے والے اس اجلاس میں ہر جگہ حضرت امیر شریعت بنفس نفیس شریک رہے اور علماء، ائمہ مساجد، دانشوران نقباء، نائبین نقباء اور سماجی خدمت گاروں کے ذریعہ ضلع کے مسائل ومشکلات پر قابو پانے کے طریقے بتائے، جو سوالات رکھے گئے ان میں این آرسی سے متعلق کاغذات کی تیاری، اوقاف کی زمینوں پر دوسروں کے ذریعہ غیر قانونی قبضہ، مکاتب کے قیام، مدارس کے تعلیمی نظام کو مزید مؤثر اور فعال بنانے، قبرستان کی گھیرابندی، گاؤں میں مساجد کی تعمیر کی ضرورت اردو ہائی اسکول کے قیام اور لڑکیوں کے لیے تعلیمی اداروں کی ضرورت جیسے بنیادی مسائل چھائے رہے، ان سوالات کے جواب میں حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ مسائل کا تعلق حکومت سے ہے اسے لکھ کر شعبہ خدمت امارت شرعیہ کو بھیجا جائے، مکاتب کے قیام کے لیے ہر گاؤں میں جدوجہد کی جائے اور مقامی آبادی کو اس کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ اس اہم کام کے لیے نکالیں، امارت شرعیہ سے مضبوط تعلق قائم رکھیں اور نقیب اور جو نئے صدر وسکریٹری بلاک کی سطح پر چنے گیے ہیں وہ حالات پر نگاہ رکھیں اور معاشرہ میں اصلاح کی تحریک چلائیں اور اصلاح کی تحریک کا آغاز اپنی ذات اور اپنے خاندان سے کریں، سیرت پاک کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کریں اور آپس میں حسد، بغض سے بچیں اور بھائی بھائی بن کر زندگی گذاریں، انہوں نے ملکی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ جن کاغذات کی تیار کے لیے آپ کو بتایا گیا ہے، اسے تیار رکھیں، جب، جیسے حالات ہوں گے امارت شرعیہ آپ حضرات کے تعاون سے اس کا سامنا کرے گی، اس کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا تو پوری قوت کے ساتھ یہ بھی کیا جائے گا، حضرت نے اس موقع سے خصوصیت کے ساتھ مختلف اجلاس میں بچے، بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت پر زور دیا، بنیادی دینی تعلیم سے خصوصیت کے ساتھ نئی نسل کو آراستہ کرنے کی ضرورت بتائی، ذات، برادری، علاقی عصبیت اور مسلکی تشدد سے لوگوں کو دور رہنے کی تلقین کی۔ تینوں اضلاع کے مسلمانوں نے جس طرح والہانہ طور پر اس پروگرام میں حصہ لیا اجلاس عام میں تل رکھے کی جگہ نہیں رہی، اور اپنے امیر کی باتوں کو سنا اس کے مطابق زندگی گذارنے کا بار بار عہد لیا، اس سے امارت شرعیہ کا پیغام دور دراز گاؤں میں پہونچانے میں مدد ملی اور امارت شرعیہ سے مضبوط تعلق اور تنظیمی کاموں میں نقباء اور ذمہ داروں کے تعلق کی داغ بیل پڑی، اس سے مستقبل میں انشاء اللہ امارت کے کاموں کے دائرے کو وسیع کرنے میں مدد ملے گی اور گاؤں علاقہ سے ہمارا رابطہ مستحکم ہوگا۔

دربارنبوی کی خوشگوار یادیں

مفکراسلام امیرشریعت حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ العالی

گذارے ہیں خوشی کے چند لمحے
انہیں کی یاد اپنی زندگی ہے

ہاں! زندگی کے چند لمحے جوشہرجلال مکہ مکرمہ میں بیتے، جودن شہرجمال مدینہ طیبہ میں گذرے، بڑے قیمتی ہیں وہ دن، بڑی یادگار ہیں وہ راتیں، ان دونوں کی یادحاصل حیات ہے، دونوں کی یاد جب آتی ہےتو دوسری یادوں کے سارےنقوش مدھم پڑ جاتے ہیں۔ سورج نکلتا ہےتو لگتا ہے جیسے چراغوں کی روشنی چھن گئی ہو، دیارنبویؐ کی یاد ساری یادوں سے دل کی نگاہوں کو ہٹادیتی ہے۔ وہاں کے ایک اِک ذرہ کاعکس جمیل قلب ونظر، دل ودماغ پر چھاتا چلا جاتا ہے، اورایسا لگتا ہے کہ سرکارذی وقارصلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ورافت کی چادر میں ایک گنہگارامتی ڈھنپا چلا جارہا ہے۔

زندگانی کا سہارا ہےتصور تیرا☆ ☆ ☆ایک تیری یاد ہےاللہ کرے یادرہے

ذراسوچئے! کعبۃ اللہ کے پردہ کوتھام کررونے گڑگڑانے والا انسان، اپنے ایک ایک گناہ کویادکرکے آنسو بہانے والا انسان، گناہوں کو جذب کرانے کے جذبہ سے مغلوب حجراسود کوچھونے اور چومنے والا انسان، احساس ندامت اور بیخودی کی ملی جلی کیفیت میں طواف کرنیوالا انسان، میزاب رحمت کے نیچےاللہ کی رحمت سے آس لگانے والا انسان، جب اپنی خودی کوخودفراموشی سے بدل کرشہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے دیارکی طرف بڑھتا ہےتو کبھی سوچتا ہے کہ

پاک دل پاک نفس پاک نظرکیا کہنا☆ ☆ ☆بعدمکہ کے مدینہ کاسفرکیا کہنا

اورکبھی اس کے دل سے آوازآتی ہے کہ آنسو کے چندقطروں سے ہوتا کیا ہے؟ بہت سے ہیں ان قطروں کو زمین میں جذب کرانے والے، گناہوں پرشرمندہ ہونے والے،توبہ کرنے والے،مگرکیا یہ چندقطرۂ اشک ان گناہوں کو بہالے جاچکے ہیں جوزندگی میں اکٹھا ہوتے گئے تھے، نہ جانے کیا کیا احساسات تھےجن کے ساتھ کارسے آگے بڑھ رہا تھا۔کبھی جھنجھلاہٹ بھی ہوتی، یا اللہ منزل کیوں نہیں آتی ——— پھرخیال آتا، شاید یہ بھی تربیت کے مرحلے ہوں، راہ کے پیچ وخم اورتیزسانسوں کے زیروبم بھی ذوق قلب ونظربخشتے ہوں، عشق کی بھٹی میں تپ کرآدمی آدمی بنتا ہے، خون اورلوتھرے میں رچابسادل حق شناس، حق آگاہ ہوجاتا ہے، اسکے بعدزندگی میں لذت ہے اورموت میں بھی راحت ہے، ورنہ

بےغم عشق وبےدل آگاہ☆ ☆ ☆موت بھی جرم زندگی بھی گناہ

کچھ آبادی جوشروع ہوئی تو ایسا لگا کہ وہ منزل آگئی، جسے دل ڈھونڈ رہا تھا، ذوق بھی، شوق بھی، طلب بھی، تڑپ بھی، زبان پردرودشریف اورنگاہوں میں شہرجمال، مدینہ کی آبادی، عمارتیں، ایسا لگتا تھا جیسے ساراجسم نگاہ بن چکا ہےاوراس نگاہ کوگنبدخضراء کا انتظار ہے، اچانک دور سے عمارتوں کا سلسلہ جوذراٹوٹا توہرے گنبدپرنگاہ جم گئی۔ اللھم صل علی سیدنا وشفیعنا ومولانا محمد زبان سے جاری اورآنکھوں سے اشک رواں، گاڑی رکی تو حالت یہ تھی کہ۔ اور جوہوش کی پوچھوتو مجھے ہوش نہیں

چندثانئے خاموش بےحس وحرکت سیٹ پررہا، اچانک جیسے خواب کی دنیا سے کوئی حقیقت کی دنیا میں آگیا ہو، دروازہ کھول کرجواترنا چاہاتو قدم ذرادیر کے لئے جم سے گئے، کیسے اتریں یہ گنہگارپاؤں اس پاک سرزمین پر، کہیں یہی وہ جگہ تونہیں جہاں چودہ سوسال پہلے آقاومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدم پڑے ہوں، شایداسی احساس کی شدت تھی اور بڑی تیزشدت، کہ عاشق رسول پاک حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ننگے پاؤں مدینہ طیبہ کی گلیوں، بازاروں سے گذرتے رہے، کبھی جوتانہیں پہنا۔

رہ رہ کرخیال آتا، کیا یہ قدم اس پاک سرزمین سے لگنے کے لائق ہے؟ دل سے آوازآئی، جب تک ندامت کے آنسوقدموں کونہ دھوڈالیں، یہ قدم اس پاک سرزمین پررکھنے کے قابل نہیں، دل کی آوازپرایسے نازک مرحلہ میں کون لبیک نہیں کہتا، آنکھوں نے دل کا ساتھ دیااورجب اشک ندامت نے گناہوں کے بوجھ کوذراہلکا کیا تو قدم آگے بڑھے۔ آرزؤں کے درسے دربارنبویؐ میں حاضری ہوئی، دورکعت نماز پڑھی، سورج نصف النہار پرنہیں پہنچا تھا، اللہ کویاد کرنے والے ابھی دوگھڑی کے لئے آرام کررہے تھے، ایک گنہگارامتی آقا کے دربار میں سلام پیش کرنے کے لئے بڑھ رہا تھا، عجیب کیفیت تھی دل کی، کبھی درود، کبھی نعت کا کوئی مصرع اورکبھی الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول الله، شوق، قدم کوتیزبڑھاتا، احترام، قدم کوتھام لیتا، ''ریاض الجنۃ'' میں جگہ خالی تھی، جی چاہا دورکعت پڑھ لی جائے پھرحاضرہوکرسلام پیش کیا جائے گا، دل نے کہا کہ پہلے سلام پیش کیا جانا چاہئے، ایک سلام قبول ہوگیاتو حاضری مقبول، ایک سلام بھاگیاتو کون سامرحلہ پھررہ جاتا ہے۔

آقا! گنہگارسلام پیش کرتا ہے۔ آقا! میرے آقا! آنکھوں کے موتی قدموں پرنچھاورکرکے تیرے درپرآیا ہوں۔ اشکوں نے سارے وجودمیں جوآگ لگائی ہےاسے تیری رحمۃ للعالمینی ہی ٹھنڈا کرسکتی ہے۔ آقا! خطاکار ہوں، سیہ کارہوں، مگرہوں تیری امت کا ایک حقیرفرد، سلام قبول ہو۔ آقا! بڑا گنہکارہوں، مگرہوں تیرے درکا ذرہ، اس ذرہ کوزندگی کی رمق ہیرے کی چمک کون دے گا میرے آقا! عربی صلاۃ وسلام کے بہت سے حصے یاد تھے، کچھ یادرہے کچھ بھول گیا، عربی کے ساتھ اردو کے اشعاربھی پڑھے۔

سلام اے فخرموجودات فخرنوع انسانی
سلام اےظل رحمانی، سلام اےنوریزدانی

کاش احساسات کوزبان مل جاتی، کاش کیفیتوں کےاظہار کے لئے الفاظ ہوتے تو بتاتا کہ کیا بیتی، اوراس دورخرافات میں بھی گنہگاران عالم جب دربار رسالت مآب میں پہونچتے ہیں تو کیسے کیسے مرحلوں سے گذرتے ہیں، کیسے سوزوگداز سے واسطہ پڑتا ہے، ہاں! توسلام شوق کا یہ سلسلہ اللہ اکبرکی صدائے دلنواز سے ٹوٹا۔ اللہ اکبراللہ اکبر۔ مسجد نبویؐ کےمؤذن کی صدائےصدرشک دل میں تیربن کراترتی اورایمان وایقان کی کرن بن کرمردہ دلوں کوروشن کرتی چلی جاتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس آوازکی صحیح جگہ یہ دل ہی توہے، بہت مانوس ہے یہ آواز، بڑادرد ہےاس میں، بہت سنی ہیں ان کی اذانیں، ہردفعہ نئی لذت، ہرمرتبہ یہ آوازنیا شوق ابھارتی ہے، جب وہ حی علی الفلاح کہتے ہیں تو لگتا ہے کہ دنیا جہاں کی کامیابیاں قدموں میں آنے کے لئے بےچین ہیں اورجب وہ آخرمیں لا الہ الا اللہ کہتے ہیں تو ''لا'' کچھ اس انداز سے دل کی گہرائی سے نکالتے ہیں جیسے ساری دنیا کی نفی کررہے ہوں اورتوحیدخالص دلوں میں پیوست کرتے جارہے ہوں۔ ظہرکی اذان اورنماز میں آدھ گھنٹہ کا وقفہ ہوتا ہے، اس آدھ گھنٹہ میں ایک لاکھ سے زیادہ اللہ کے بندے کشاں کشاں مسجدنبوی میں آجاتے ہیں، کتنی بڑی ہوگئی ہے مسجدنبویؐ ——— شاہ فہدنے ایک موقعہ پرکہا تھا کہ سرکارذی وقارکے عہدبابرکت میں شہرمدینہ جتنا بڑا تھا اسے مسجدنبوی میں شامل کردینا چاہتا ہوں، اوراس پورے حصہ زمین کو انہوں نے مسجدنبوی بنادیا، توسیع کا کام جاری ہے۔ چودہ سوسال قبل جوشہرمدینہ منورہ کے حدود تھے، آج وہ مسجدنبوی کا حلقہ ہے۔ رمضان المبارک کےاخیرعشرہ میں اس مسجد کی بہاردیکھنے والی ہوتی ہے، قرآن نے کہا ''ان المساجد للہ'' (مسجدیں توبس اللہ کے لئے ہیں) اوراللہ کے بندے کس کس طرح پاک پروردگارکو یادکرتے ہیں اورمرضی مولیٰ کاحق اداکرتے ہیں، اس کا نظارہ مسجدحرام اورمسجدنبوی میں جی بھرکے ہوتا ہےاورجنہیں دل کی آنکھوں سے نوازا گیا ہے، وہ نورکےاس بڑھتے پھیلتے حلقے کوبھی دیکھتے ہیں، جوانسانوں کے گرداوراس خطہ زمین پرنظرآسکتا ہے، وہ چشم بینا، دل کی تڑپ اورطلب، احساس کی حدت وشدت، جذبوں کے اخلاص واعتماداورروح کی پاکیزگی اوروارفتگی، نہاں خانہ کےخضوع وخشوع اورہربن موسے نکلنے والی یادالٰہی اورحب نبویؐ کی لہروں کودیکھ سکتی ہے، فانہ ینظر بنور الله (کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کےنورسے دیکھتی ہے(الحدیث)

اللہ کا گھربھی کیا چیز ہے، کوئی انہیں سجدوں سے سجاتا ہے، کوئی عبادتوں سے آبادکرتا ہے، کوئی اپنی آہوں سے اس کی فضا میں ارتعاش پیدا کرتا ہے، کوئی آنسوؤں سے گناہوں کو دھوتا ہے، کسی کی نگاہوں کی حسرت اسمیں اعتماداور اطمینان بھرتی ہے، کوئی ماضی کے دھبوں کودھوتا ہے، کوئی مستقبل کے تارے دامن میں بھرلیتا ہے، اورکوئی اپنے حوصلوں کے سہارے اس کی شکل وصورت کونیاروپ اورجلال وجمال کونئے نئے زاویے دیتا ہے۔ اورعقیدت ومحبت کےنقوش عمارتوں میں جڑدیتا ہے! مسجدنبوی بھی بارباربنی ہے، ماضی کی بہت سی بنی بنائی عمارتیں اب ختم ہوچکی ہیں، صرف اخلاص زندہ ہے اوروہی سدابہار ہے، ابھی دوحصے مسجدنبوی کے پورے طورپرمحفوظ ہیں۔ مرکزی حصہ جوترکوں نے بنایا تھا۔ سلطان عبدالحمید نےعشق نبوی میں ڈوب کریہ مسجد بنوائی، جوسرخ پتھروں کی ہے، خدا انہیں اپنے یہاں سرخروررکھے، سلطان نے پیسے نہیں لگائے، اخلاص کا سرمایہ اہتمام واحترام کے طشت میں رکھ کرپیش کردیا، کہتے ہیں کہ جس نے بھی تعمیرمیں حصہ لیا، مزدورہویا مستری، انجینئرہویا اُورسیر، سب باوضو رہتے تھے، پتھروں کی بڑی بڑی سلیں جب کھمبوں کے لئے تراشی جاتی تھیں تو پہلے ہرسل پرایک قرآن ختم کیا جاتا۔ یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے، مگرجذبۂ دل کے صدقہ جایئے، دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے محبت وعقیدت اورشوق وذوق کا وہ تاج محل کھڑا کیا ہے کہ سبحان اللہ ——— کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

دوسرا حصہ شاہ سعود کا بنوایاہوا ہے ترکی حصہ کے بعدکا اضافہ ——— یہ اضافی حصہ نقشہ، جاذبیت اورمضبوطی تینوں اعتبار سے خوب تر ہے۔ یہ حصہ کشادہ، بلندوبالا اورحفظان صحت کے پیش نظر بہت کھلاہوا بنایا گیا ہے۔ خدامرحوم پر رحمت کے دروازے کھولے رکھے ——— اوراب یہ تیسرا اضافہ جوتعمیر کے آخری مرحلہ میں ہے، نگاہوں کے سامنے ہے، بےحد مضبوط، بہت آرام دہ، غیرمعمولی پرسکون، سیکڑوں کھمبے کھڑے کئے گئے ہیں اورہرکھمبا اتنا مستحکم ہے کہ اس پراپنے یہاں کی ایک متوسط مسجد کا وزن ڈالا جاسکتا ہے، کچھ کچھ فاصلے پرکھمبوں کی جڑوں سے ٹھنڈی ہوائیں نکلتی رہتی ہیں ——— کئی گنبد ہیں جوکھلتے اور بوقت ضرورت بندہوتے رہتے ہیں، بٹن دبایا گنبدسرپہ سایہ فگن، بٹن گھمایا تو گنبدکھسکتے سرکتے ایک کنارہ پرآلگا، مسجدنبوی کے کھمبوں کے بیچ سے آسمان نظرآئے گا، یہ ٹکنالوجی کوآبادحرم کرنے کا بہترین انداز ہے دیواروودرپرزمین اورچھت میں ایسے ایسے اوراتنے قیمتی پتھراس سلیقے سے لگے ہیں کہ عقیدت جھوم اٹھتی ہے اورفن تعمیر کا دلفریب روپ سامنے آتا ہے۔ عبادت توحسن نیت اورحسن عمل کا مجموعہ ہے، راستہ کی ٹھوکرکوہٹانا بھی عبادت ہے، راہوں میں پڑے کانٹوں کودورکرنا بھی عبادت ہے، روزہ اورنمازبھی عبادت ہےاوران سارے اعمال کا مقام ومرتبہ اللہ کے دربار میں حسن نیت کے حساب سے لگتا ہے، وہ جوحدیث شریف میں ایک ہی عمل کے لئے کہیں دس گنا ثواب، کہیں سترگنا ثواب ہے، اورکہیں سات سوگنا ثواب آیا ہے، یہ سب حسن نیت کی وجہ سے نتیجوں کا فرق ہے ——— حسن نیت کا تعلق دل سے ہے، دل جتنا صاف ہواورعبادت جتنا دل لگاکرکی جائے ثواب اتناہی زیادہ ملتا ہے، اورمعاملہ جہاں تک ''دل کے لگنے'' اور''جی کے جمنے'' کا ہے، یہ کہیں اورلگے یا نہ لگے مسجدحرام اورمسجدنبوی میں خوب لگتا ہے، خوب جمتا ہے، اس لئے مسجدحرام اورمسجدنبوی کی عبادت کا ثواب اور لذت ہی کچھ اورہے، وہ صفائی ستھرائی، پرسکون ماحول، ہرطرف یادالٰہی میں غرق اللہ کے بندے، پھسلنے والی طبیعت اورپارہ کی طرح نہ ٹھہرنے والا مزاج بھی تھم جاتا ہےاورتھوڑی دیرسہی عبادت میں لگ جاتا ہے۔ سب سے بڑی بات اس درپریہ احساس دل کا پہرہ دارہوتا ہے کہ یہ درکس کا ہے؟ یہ گھرکس کا ہے؟ ——— اس احساس نے چودہ سوسال کے عرصہ میں نہ جانے کتنے پتھردل کوموم اورقلب اسودکوقلب مبین بنادیا ہے۔ ایسا لگتا ہے، رحمت کی گھٹا جھوم جھوم کر آتی ہے، ٹوٹ ٹوٹ کربرستی ہےاورسب متوالے شرابورہوتے جاتے ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں، خاص کراس کے اخیرعشرہ میں یہاں کا کیف اورنکھرجاتا ہے، پوری دنیا سے کشاں کشاں لوگ آتے ہیں ——— ''بلاکشان محبت بسوئے یاررروند'' نیکیوں کے موسم بہار میں طاعت کاذوق اورعبادت کا شوق توہراس خطہ میں ابھرآتا ہے، جہاں کسی صاحب ایمان کی جبین نیازسجدوں کے لئے مچلتی ہے۔ مگراس خطہ کےنورکا اندازہ لگایئے جہاں سے سجدوں نے توحیدخالص کا نیاسفرشروع کیا تھا، جس درپہ اس سجدہ کی مشق کرائی گئی جو''ہزارسجدوں سے دیتا ہےآدمی کونجات''

(بقیہ صفحہ ۱۱ رپر)

مشکل حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رفقاء کے ساتھ مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں دو طبقوں سے مسلمان نبرد آزما تھے ،ایک یہود، دوسرے منافقین ، یہودیوں کی مسلمانوں سے مخالفت علانیہ تھی ، اور منافقین بغلی دشمن تھے ،عبد اللہ ابن ابی ان کا سردار تھا ، ابتداء اس شخص کا نفاق انصار پر ظاہر نہیں تھا اور وہ اس کو مخلص مسلمان باور کرتے تھے ، مدینہ میں اس شخص کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایک خصوصی مقام حاصل تھا ؛ بلکہ اہل مدینہ اس کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے ،مگر اسلام کے بعد عبد اللہ بن ابی کا خواب پورا نہ ہو سکا ، غالباً اس لئے بھی عبد اللہ بن ابی کے سینہ میں اسلام اور اہل ااسلام کے خلاف آتش غضب سلگتی رہتی تھی ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء ’’مہاجرین اور انصار‘‘ کے ساتھ ایک مہم پر نکلے ، اس میں عبد اللہ ابن ابی بھی شامل تھا ، ایک مقام پر پڑاؤ کیا گیا ، اور پانی لینے کے مسئلہ پر حضرت عمرص کے غلام اور انصاری صحابی ص کے درمیان کچھ تکرار ہوگئی ، بات آگے بڑھی ، غلام نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور انصاری نے انصار کو پکارا اور یہ معمولی سا جھگڑا دو شخص کا نہ رہا ؛ بلکہ دو جماعتوں — انصار و مہاجرین — کا اختلاف بن گیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہی کی فہمائش کی اور بظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ معاملہ رفع دفع ہوگیا ؛ لیکن عبد اللہ ابن ابی ایسے مواقع کی تاک میں رہتا تھا ، اس نے اس کو مہاجرین و انصار کے درمیان گروپ بندی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی اور انصار کو عار دلائی کہ یہ نوبت اسی لئے آئی کہ تم نے محمد اور مکہ سے آنے والے ان کے ساتھیوں کی مدد کی ، مہاجرین کے ساتھ ہماری مثال عربی زبان کے اس محاورہ کی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو ؛ تاکہ وہ تمہیں کو کھا جائے ’’سمن کلبک یأ کلک‘‘ پھر یہ بھی کہا کہ اب مدینہ پہنچ کر جو باعزت لوگ ہیں ، وہ ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے ۔

عبد اللہ ابن ابی نے یہ بات چند انصار کے درمیان کہی ، ایک کم عمر انصاری صحابی حضرت زید ابن خالد جہنیؓ نے بھی اپنے سر کے کانوں سے یہ بات سنی اور جذبہ ایمان کے تحت رسول اللہ سے صحیح صورتِ حال عرض کر دی ، حضرت عمرؓ پر جوشِ حق کا غلبہ رہتا تھا ، اور باطل ان کو ذرا بھی برداشت نہیں تھا ، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اس منافق شخص کا سر قلم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا کیا گیا تو لوگ خیال کریں گے کہ اب محمد اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا رہے ہیں ۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست عبد اللہ ابن ابی سے واقعہ کی تحقیق کی ، اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسی بات نہیں کہی ، انصار میں سے اکابر اور سر برآوردہ حضرات نے بھی اپنی ناواقفیت کی وجہ سے عبد اللہ ابن ابی کی تصدیق کی اور کہا کہ زید بچے ہیں ، ان کی بات کا کیا اعتبار ہے ؟ مگر خود وحی الٰہی سے حضرت زید کی تصدیق ہوئی ، بہر حال اس ناخوشگوار واقعہ کا چرچا پورے قافلہ میں ہوگیا اور بعض بھولے بھالے مسلمانوں کا ذہن ایک حد تک اس سے متاثر بھی ہوا ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں فرمائی اور قافلہ کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ صبح میں سفر شروع کرتے تو شام میں کہیں پڑاؤ کرتے اور شام میں سفر کا آغاز فرماتے تو صبح کے قریب کہیں منزل فرماتے ؛ لیکن خلافِ معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے دن اور پھر اس رات مسلسل چلتے رہے اور اور اگلے دن دوپہر کے وقت ایک جگہ خیمہ زن ہوئے ، چلچلاتی ہوئی دھوپ ، گرم ریت ، بھوک و پیاس اور مسلسل سفر نے لوگوں کو تھکا کر رکھ دیا اور جو وقتی ناخوشگواری پیدا ہوگئی تھی ، اس کا اثر بھی جاتا رہا ، دراصل یہی مصلحت تھی جس کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر کو غیر معمولی طول دیا ؛ تاکہ لوگ اس تلخی کو بھول جائیں ۔

پھر ایک عرصہ کے بعد جب عبد اللہ ابن ابی کا نفاق لوگوں کے سامنے کھل کر آ گیا ، حضراتِ انصار کو بھی اس کا خوب اندازہ ہوگیا ، تو عبد اللہ ابن ابی کے صاحبزادے — جو مخلص مسلمان تھے — اور ان کا نام بھی عبد اللہ ہی تھا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرانے والے ہیں ، اور واقعتاً وہ اپنے نفاق کی وجہ سے اسی لائق ہیں ؛ لیکن مجھے اپنے والد سے بڑی محبت ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شاید میں ان کے قاتل کو نہ دیکھ سکوں ! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمایئے کہ میں خود اپنے والد کا سر قلم کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دوں ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور حضرت عمرص کو بلا کر صورتِ حال بتائی کہ اگر میں نے اس وقت قتل کا حکم دیا ہوتا تو بہت سے لوگ بدگمان ہو سکتے تھے ، اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ خود یہ لوگ اس کے نفاق اور در پردہ عداوت سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں ، اور خود ان کا لڑکا اس کے قتل کے لئے تیار ہے ، حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے بہت متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ا کی رائے میں برکت رکھی ہے ’’بارک اللہ فی رای رسولہ‘‘ ۔ یہ ایک مثال ہے حسن تدبیر اور جذبات پر عقل و فراست کو غالب رکھنے کی ! اسی کو قرآن مجید نے ’’صبر‘‘ سے تعبیر کیا ہے ، صبر کے معنی بزدلی اور پسپائی کے نہیں ہیں ، بلکہ صبر سے مراد حسن تدبیر اور کسی اقدام کے لئے صحیح موقع و محل کا انتخاب کرنے کے ہیں ، صبر یہ ہے کہ آدمی اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے آپ کو مشتعل اور بے برداشت ہونے سے بچائے ؛ اس لئے کہ اشتعال اور غیظ و غضب کی حالت میں انسان کی قوتِ فیصلہ کم یا ختم ہو جاتی ہے ، اور فراست و دوانش مندی کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے لگتا ہے ؛ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کی حالت میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے ’’لا یقض القاضی و ہو غضبان‘‘ کیوں کہ غصہ کی حالت میں آدمی معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں مناسب رائے قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے ، جیسے انفرادی اور شخصی معاملات میں یہ ضروری ہے کہ آدمی سنجیدہ حالت میں اہم فیصلے کرے ، اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ضروری ہے کہ قومی اور اجتماعی مسائل میں ہم اشتعال اور غضب کی کیفیت میں کوئی فیصلہ کرنے اور قدم اٹھانے سے باز رہیں ، ورنہ اس کا نقصان سنگین بھی ہوگا ، دور رس بھی اور وسیع بھی ۔ رسول اللہ کی پوری حیاتِ طیبہ اس طرزِ عمل کی کھلی ہوئی مثال ہے ، جنگ کی حالت ہو یا صلح کی ، ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش تدبیری کو وقتی جذبات پر غالب رکھا ، صلح حدیبیہ ہی کو دیکھئے : بظاہر صلح الف سے یا تک مسلمانوں کی امنگوں کے خلاف تھی ، صلح نامہ لکھتے ہوئے ’’بسم اللہ الرحمن الرحیم‘‘ لکھا گیا ، اہل مکہ کے نمائندہ نے اسے قبول نہیں کیا اور کہا کہ زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر ’’باسمک اللہم‘‘ لکھنا پڑے گا ، اسے قبول کر لیا گیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ’’محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ لکھا گیا ، دوسرے فریق نے ’’رسول اللہ‘‘ کے لفظ کو کاٹنے پر اصرار کیا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی تیار ہو گئے ، حضرت علی ص سے برداشت نہ ہو سکا ، اور وہ کلمہ حق کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے کے لئے تیار نہ ہوئے تو آپ نے اسے خود محو فرما دیا ۔ پھر یہ بات طے پائی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے اسے واپس کر دیا جائے ، اور مدینہ سے جو مرتد ہو کر مکہ آئے ، اسے واپس نہ کیا جائے ، یہ بالکل امتیاز پر مبنی دفعہ تھی ، یہ بھی طے پایا کہ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں ، آئندہ سال آئیں اور صرف تین دنوں قیام کریں ، نیز نیام میں رکھی ہوئی تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ رکھیں ، یہ ساری باتیں عربوں کی روایات کے سراسر خلاف تھیں ، حرم میں کبھی بھی اور کسی کو بھی آنے کی عام اجازت تھی ، اپنے تحفظ کے لئے ہتھیار رکھنا یہ بھی عربوں میں ایک روایتی حق سمجھا جاتا تھا ، اور مسلمانوں کے لئے یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے علانیہ دشمنوں کے درمیان جا رہے تھے ؛ لیکن ان غیر منصفانہ شرطوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا ، اکثر صحابہ ث کو یہ صلح بہت ناگوارِ خاطر تھی ، حضرت عمرص سے تو برداشت نہ ہو سکا اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرطِ جذبات میں کچھ ایسے سوالات کر لئے کہ ہمیشہ اس پر پشیمان رہتے تھے ، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھولا اور اپنے رفقاء کو اس کی تلقین کی تو راویوں کا بیان ہے کہ لوگ اس طرح ایک دوسرے کے بال مونڈ رہے تھے کہ گویا سر کاٹ ڈالیں گے ۔ لیکن قرآن نے اسی صلح کو جو بظاہر ذلت آمیز تھی ’’فتح مبین‘‘ قرار دیا ، (فتح: ۱) دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ مسلمان اہل مکہ سے مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں ، ہر صبح وشام خوف کی کیفیت سے گزر رہے ہیں ، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل مکہ کو معتدل فضاء میں اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا موقع نہیں مل پایا ہے ، غلط فہمیوں کی دیواریں کھڑی ہیں ، پھر اس خوف و دہشت کی فضاء میں کھل کر دعوتِ اسلام کا کام بھی نہیں ہو سکتا تھا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر پورا اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اندر جو کشش رکھی ہے ، وہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی زیر کرے گی ، اور جن لوگوں کو میدانِ جنگ میں فتح نہیں کیا جا سکا ہے ، اسلام کی روحانی تعلیمات ان کے قلوب و اذہان کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صلح حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کم و بیش چودہ سو تھے ، اس واقعہ کے صرف دو سال بعد مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار رفقاء عالی مقام مکہ میں داخل ہوئے ، اور فتح مکہ کے دو سال بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہو چکی تھی ، غرض آغازِ نبوت سے صلح حدیبیہ تک انیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی اور اگلے چار سال میں ان کی تعداد یقیناً سوا ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی ، جن میں سوا لاکھ کے قریب تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک تھے ، یہ اسی صبر کا کرشمہ ہے اور یہی وہ فتح مبین ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے خوش خبری دی تھی ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے اسوہ ہے کہ جب مسلمان مشکل حالت سے گزر رہے ہوں ، وہ سیاسی اور افرادی مغلوبیت سے دوچار ہوں تو اس وقت خصوصاً ، اور ہر حال میں عموماً سماجی اور ملکی فضاء کو معتدل رکھنے کی کوشش کریں ، جذبات پر عقل کو ، تمناؤں اور آرزوؤں پر حقیقت پسندی کو ، اشتعال اور نقصان دہ غیظ و غضب پر صبر اور خوش تدبیری اور مناسب موقع و محل کے انتظار کو ترجیح دیں ، ہر قدم پھونک کر اٹھائیں ، ایسا ردِ عمل ظاہر نہ کریں جو خودکشی کے مترادف ہو ، اور جس سے قومی اور اجتماعی نقصان ہو ، جس سے تعمیر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور ہماری ترقی معکوس ہو جائے ، یاد رکھئے ! ہندوستان کے موجودہ حالات میں فرقہ پرست عناصر کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کو بے برداشت کر دیا جائے ، وہ سڑک پر نکل آئیں ؛ تاکہ ظلم و زیادتی کا جواز پیدا ہو جائے اور مسلمانوں کو ایک شدت پسند گروہ کی حیثیت سے پیش کیا جائے ، ان حالات میں ہمارا مشتعل اور بے برداشت ہو جانا فرقہ پرستوں کی بڑی کامیابی ، اور حسن تدبیر کے ساتھ ایسی سازشوں کا مقابلہ کرنا فرقہ پرستوں اور ملک دشمنوں کی سب سے بڑی شکست ہے ، یہ بظاہر ہزیمت ہے اور حقیقت میں فتح مبین !

نعت شریف

خاک کا یہ ذرہ ذکر مہوشاں کیسے کرے
مدح آقا کی گدائے بے نشاں کیسے کرے
کشت بے تیغم بعشوہ ترک نازک پیکرے

نعت کہتا ہوں تری آقائے من شاہ زمن
خندہ رو،روشن جبیں،غنچہ دہن، شیریں سخن
یاسمن ، رشکِ سمن ،جانِ چمن یا جانِ من

تو ہے بحر بیکراں اور میں ذرا سی آب جو
مرحبا صلے علیٰ جانِ جہانِ رنگ و بو
کفر سوزے ، دل فروزے، خوب رو آہستہ خُو

اختر تاباں کہوں یا پھر مہ کامل تجھے
میں سمجھتا ہوں نشان جادہ و منزل تجھے
نازنینِ مہ جبینِ،دل کُشے یا دل کُشے

کوچۂ جاناں گئے تو بن کے دیوانہ گئے
صبر آیا جب نہ ہم کو پھر تو روزانہ گئے
شادئے، آزادئے، مستانئے ، جانانئے

اے سراپا خُلق تیری ذات ہے ہر دل عزیز
تیرے در کی خاک ہی سرمہ بنانے کی ہے چیز
بے قرارم ، اشک بارم، سخت زارم اے عزیز

عشق کے راز نہاں کو وہ عیاں کیسے کرے
مشق سے دھوئے زباں کو پھر بیاں ایسے کرے
خوش بیانے،مہربانے،جان جانے ،دلبرے

نام پیارا کتنا تیرا پاک تن پاکیزہ من
نکہت زلف معنبر پر فدا مشکِ ختن
آشنائے ، دلربائے ، خود نمائے ، خودسرے

اے سراپا نور تو ہے دو جہاں کی آبرو
قیصریت تیری آمد سے ہوئی ہے زرد رو
پاک دینے، پاک بینے،خوشتر از ہر خوشترے

میں کہوں کون و مکاں کی جان یا پھر دل تجھے
دل کھنچے بے ساختہ وہ ہے کشش حاصل تجھے
جاں گدازے، دل نوازے،گوہرے یا اخترے

بادۂ عشق و محبت پی کے مستانہ گئے
نعت یہ پڑھتے ہوئے بے اختیارانہ گئے
مست چشمے،دیر خشمے،طُرفہ زیبا منظرے

تیرے صدقہ میں خدا نے دی ہمیں عقل و تمیز
توڑنا دم تیرے در پر جان ودل سے ہے عزیز
دل برد،جاں آورد ہر دم بطرز دیگرے

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید اور انسانیت کا ارتقاء

مولانا محمد شبلی القاسمی قائم مقام ناظم امارت شرعیہ

سیدالمرسلین خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب موحد اعظم سیدنا حضرت ابراہیمؑ سے ملتا ہے؛اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ جن تعلیمات وہدایات کے ساتھ مبعوث کئے گئے تھے ان میں دعوت توحید کو مرکزیت حاصل ہے،رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا الٰه الاالله واقام الصلوٰة و ایتاء الزكوٰة وصوم رمضان والحج من استطاع اليه سبيلاً" اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے،لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا،نماز قائم کرنا،زکوٰۃ ادا کرنا،روزہ رکھنا اور جو حج کی استطاعت رکھتا ہو اسے حج کرنا۔

اسلام کے پہلے رکن توحید پر اسلام میں سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے،دنیوی واخروی فلاح وبہبود،جنت،اس کی تمام نعمتیں،اللہ تعالیٰ اور اس کی خوشنودی عقیدۂ توحید پر ہی موقوف ہیں،توحید کے بغیر دوسری کوئی عبادت مقبول نہیں؛اگر حالت اسلام میں نیکیاں کیں اور نعوذ باللہ بعد میں الحاد ولادینیت کی راہ اختیار کی اور توحید سے ہٹ گیا تو یہ ایسی چنگاری ہے کہ اس کی نیکیوں کے خرمن کو جلا کر راکھ کردے گی،"ولو اشركوا لحبط ما كانوا يعملون" (الانعام) اگر انہوں نے شرک کیا تو ان کے تمام اعمال اکارت چلے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی رحمت وعنایات صرف مؤحدین کے لیے ہیں چنانچہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر وحدانیت پر زور دیا فرمایا:"ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذٰلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد افترىٰ اثما عظيماً" (الانبیاء) اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ دوسری چیزوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف کردے گا اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑا گناہ کیا۔اور ایک جگہ فرمایا:"وقضىٰ ربك ان لا تعبدوا الا اياه" اور تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت نہ کرو" کہیں فرمایا"يٰبنى لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم" حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں"اے میرے بیٹے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے،اسلام کا واضح موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام گناہ معاف کردے گا مگر شرک کے مرتکب اللہ کی رحمت ومغفرت سے بہت دور ہوں گے،پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو شرک سے اجتناب کی پوری زندگی تعلیم دی اور تمام اعمال میں خلوص پیدا کرنے کا تاکیدی حکم دیا حضرت معاذؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا"يامعاذ اتدرى ماحق الله علىٰ عباده وما حق العباد على الله قلت الله و رسوله اعلم ،قال فان حق الله على العباد ان يعبدوه ولا يشركو به شيئاوحق العباد على الله ان لا يعذب من لا يشرك به شيئا" (البخاری) اے معاذ جانتے ہو اللہ کا حق اپنے بندوں پر اور بندوں کا حق اپنے اللہ پر کیا ہے؟ تو میں نے کہا"الله و رسوله اعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے،تو یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائے ،اور بندے کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جس بندے نے اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا اس کو عذاب نہ دے۔

عقیدۂ توحید کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پہلو پر بھی غور کیجئے کہ اسلام کے جملہ ارکان واعمال،عبادات اور فرامین کی اتباع میں خود انسانوں کی فلاح وارتقاء مضمر ہے،اسلام کے پہلے رکن اور اس کی سب سے اہم تعلیم عقیدۂ توحید میں انسانوں کے لیے کامیابی اور ان کے عروج وکمال کی کیا کیا باتیں ہیں کہ اسلام نے اس پر اتنا زور دیا ہے؟اس سوال کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ذہن ودماغ،عقل وفکر اور شعور وآگہی کو کام میں لایا جائے تو بلاشبہ اس کا اقرار واعتراف کرنا ہوگا کہ عقیدۂ توحید انسانیت کے لیے نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتی ہے یہ نہ صرف اخروی بلکہ دنیا کے بھی مراتب،کمال،مناصب،مقام وجاہ،عزت وشرف،خوداعتمادی،خودسازی،انسانوں میں انسانیت،ضمیری،خودشناسی،کچھ کرگزرجانے اور بڑھ جانے کا جذبہ توحید کی راہ سے ہی آتے ہیں۔ایک موحد،حق گو،حق شناس اور صاحب عزم وحوصلہ ہوتا ہے وہ غربت میں بادشاہت،ضعف میں قوت،فقر ومسکنت میں تونگری وسیری اور چہار جانب چھائی ہوئی مایوسی وقنوطیت میں امید ونجات کی راہیں تلاش کرلیتا ہے،کمزور رعایا کو طاقتور حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے کا جگر عقیدۂ توحید کا معمولی اثر ہے۔

تھوڑا اور آگے بڑھئے اور تیسری بات سوچئے کہ آخر توحید کیا ہے؟اور اس میں اتنی طاقت کہاں سے آتی ہے کہ مؤحدین کو قوت وجرأت آن کی آن میں فراہم کردیتا ہے؟اور کیا اس کے ذریعہ ملی ہوئی قوت وجرأت اور توکل وقناعت کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں؟اس تیسرے نقطہ پر تھوڑا اٹھہریئے توحید اور اس کی قوت اور اس کی ناقابل فراموش اور قابل اتباع مثالیں دیکھئے اور سمجھئے۔

توحید عربی زبان کا لفظ ہے وَحَّدَ یُوَحِّدُ کا مصدر ہے،جس کے معنی ہیں کسی چیز کا ایک جاننا اور ماننا،شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات،الوہیت،صفات اور کون ومکان میں واقع ہونے والے تصرفات میں یکتا اور بندوں کے اعمال وعبادات کا تنہا مستحق جاننا پھر اس پر اقرار لسان،تصدیق قلبی اور عمل بالجوارح کے ذریعہ جم جانا توحید کہلاتا ہے،کلمہ طیبہ کے اول جزء لا الہ الا اللہ کا یہی مطلوب ومقصود ہے،کلمہ گو اپنی زبان اپنے دل اور دیگر اعضائے جسم کے ذریعہ اقرار اور اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے آپ اس وقت سے ہیں جب عالم نہیں تھا اور اس وقت تک رہیں گے جب عالم نہیں رہے گا،اس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ کوئی انتہاء،وہی اول،وہی آخر ،وہی ظاہر،وہی باطن پھر اس نے اپنی مرضی،اپنے حکم اور اپنی قوت سے کائنات کو عدم سے نکال کر وجود کا لبادہ دیا ،آسمان اور آسمان کے اوپر،زمین وآسمان کے درمیان،زمین اور زمین کے نیچے کی جملہ مخلوقات کو پیدا کیا،سب کچھ اس کی مخلوق اور وہ تنہا بلاشرکت غیر سب کا خالق ہے،درمیان میں کوئی نہیں،"قل هو الله احد" کائنات کو وجود عطا کرنے میں وہ نہ کسی کے حکم کا پابند تھا اور نہ کسی کا تقاضہ تھا،بس اس کی مشیت ہوئی ایک جہاں بنا ڈالی "انما امره اذااراد شيئاًان يقول له كن فيكون" بے شک جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے "کن" ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے،اس کی قدرت وطاقت کا انسان اندازہ بھی نہیں کرسکتا،نہ اس کی قدرتوں کا شمار ہے اور نہ اس کی وسعتوں کا حساب ہے،بلاستون کے قائم بلند وبالا آسمان،سمندروں کی لہریں اور اس کی روانی،ہواؤں کے جھونکے،پہاڑوں کی قوت واستقامت،زمین کا فرش،شجر،حجر،چرند،پرند،جمادات،نبادات،صبح،شام،رات،دن ،صبح کی خنکی،دھوپ کی تمازت،شام کی نرمی،دن کا اجالا،رات کی تاریکی،فرشتے،جنات،انسان،اور دوسری تمام مخلوقات سب اس کے حکم سے ہیں اور اس کی حمد وثناء میں محو ہیں،وہ ہروقت ہرجگہ،ہرشئی میں موجود ہے اور ہر ایک سے باخبر اور سب پر قادر ہے"انه على كل شئى قدير"" وہ ہر چیز پر قادر ہے"عزت وذلت اس کے اختیار میں ہے،"وتعز من تشاء وتذل من تشاء"

جسے چاہے تو وہ عزیز ہے جسے نہ چاہے تو ذلیل ہے
تیرے ہاتھ ذلت و آبرو ،تیری شان جل جلالہ

موت وحیات کا وہ مالک ہے،"يحى و يميت" مخلوق کو رزق پہونچانا اس کی شان ہے"ومامن دابة فى الارض الا على الله رزقها" مانگنے والوں کو عطا کرنا اس کی پہچان ہے،"واذاسالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذادعان" ترجمہ:"اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں،اپنے پکارنے والے کی فریاد سنتا ہوں" وہ قریب اتنا ہے کہ خود انسانوں سے اس کی شہ رگ بھی اتنی قریب نہیں،"نحن اقرب اليه من حبل الوريد" ان صفات وکمالات کا تنہا اللہ تعالیٰ کو مستحق جاننا اور اسی سے مانگنا اس کی عبادت کرنا توحید ہے۔اس کے اوپر ایمان رکھنے والے موحد ہوا کرتے ہیں،عقیدۂ توحید کی پختگی جب کسی فرد،جماعت اور قوم میں پیوست ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طاقت اور غیبی نصرت اس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے،جس سے بندہ اپنے اندر غیر معمولی قوت،بلند حوصلگی اور عزم وارادہ میں پختگی محسوس کرتا ہے،فتح ونصرت اور کامیابی وکامرانی اپنے قریب پاتا ہے اور مشکل حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے اندر پاتا ہے،پھر وہ اللہ تعالیٰ پر یقین واعتماد کے ساتھ قدم ایسا بڑھاتا ہے کہ راہ کی دشواریوں کو بھی اپنا معاون اور رفیق سمجھ کر منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے،چاہے وہ دریا کی روانی ہو یا جنگلات کے خونخوار جانور،وہ حق پرست بن جاتا ہے چاہے جن سنگلاخ وادیوں سے گزرنا پڑے وہ باطل سے کوسوں دور اور متنفر ہوجاتا ہے،چاہے اس کے لیے کسی طرح کی قربانی دینی پڑے وہ رشتے جوڑتے ہیں اللہ کے لیے،توڑتے ہیں تو اللہ کے لیے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

بے مثال جرأت اور حیران کن قوت صاحبِ ایمان میں عقیدہ توحید سے ہی پیدا ہوتی ہے،بلاشبہ عقیدہ توحید انسانیت کا نقطۂ عروج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اس عقیدۂ توحید کے ذریعہ انسانوں کو اس کا اصل مقام بتایا،انسانوں کو اپنی حقیقی قوت اور اپنے مقام ومرتبہ کا احساس ہوا ،ذرا سوچئے شرک میں مبتلا انسانیت،ناامیدی،کم ہمتی اور احساس کمتری میں مبتلا ہوکر کس طرح اپنی پرواز کی بلندی،فکر کی وسعت اور عزم کی پختگی کھو بیٹھی تھی،کائنات کے اشرف وافضل رکن حضرت انسان اس نے نفع کی لالچ اور نقصان کے ڈر سے ہر نفع بخش اور نقصاندہ حیوانات،جمادات،نباتات اور دیگر مخلوقات کے سامنے اپنے معزز اور محترم سر ناک اور پیشانی کو ٹیک دیا،آہ! جسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا مسجود بنایا،اس نے اپنی قدر ایسی گرالی اور اپنا مقام وویلو ایسا گھٹایا کہ سانپ،بچھو،پیڑ پودے،پتھر،لوہا،پانی،سورج،چاند اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دوسری چیزیں جسے اللہ نے خود انسانوں کے تابع بنایا تھا مگر اس انسان نے اسے متبوع بنا کر خود کو اس کے تابع کردیا،اس نے اپنی فکر،سوچ حتیٰ کہ اپنی انسانیت کو داغدار اور مجروح بنالیا،توہمات اور عقائد باطلہ نے اسے دردر کا بھکاری بنادیا تھا،اور ترقی،عروج وکمال کی ساری راہیں خود ہی اپنے اوپر بند کردی تھیں،یہ مرض صرف اور صرف عرب قوم میں نہیں تھا پوری دنیا اس کی لپیٹ میں تھی،عرب وعجم،امیر وغریب،بڑے چھوٹے،مرد وعورت سب اس کے مریض ہوچکے تھے اور شفاء کی امید بھی کھو بیٹھے تھے،جان اور زندگی ایک عذاب بن چکی تھی،دنیا خودکشی کے لیے پوری طرح تیار ہوچکی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان کے درمیان ایک رسول نسخۂ حیات دیکر مبعوث کیا،اس رسول نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور وحی کی روشنی میں دنیا کی ظلمت دور کی،انہیں مایوسی سے نکالا۔

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور نبی رحمت نے اعلان فرمایا"لاتقنطوا من رحمة الله" آؤ توہمات اور ناامیدی سے نکلو،اللہ تعالیٰ کی رحمت آئے گی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے سامنے انسانیت کا راز کھولا،ان کو ان کا مقام بتایا ،ان کی قدر ان کا ویلو بتایا،اور فرمایا یہ زمین،یہ آسمان،بلند وبالا پہاڑ،سورج،چاند،دریاؤں کی موج،ہواؤں کی لہر اور دنیا کی دوسری ساری چیزیں تمہاری خادم ہیں،تم کائنات کے مخدوم ہو،تم سب سے اوپر ہو،اللہ نے دنیا اس لیے نہیں بنائی کہ تم دنیا کے سامنے جھک جاؤ،بلکہ اس لیے تاکہ دنیا تمہارے سامنے جھکے،تم اس کا استعمال کرو،تم صرف ایک طاقتور ہستی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکو"ان الدنيا خلقت لكم وانكم خلقتم للآخرة" دنیا تمہارے لیے اور تم آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔(بقیہ صفحہ نمبر ۱۷ پر)

انسان کی فلاح وترقی سیرت نبوی ﷺ کے آئینہ میں

مولانا عبد الباسط ندوی۔سکریٹری المعھد العالی امارت شرعیہ

ہر دور کی انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو حاصل رہی ہے وہ دراصل خود انسان کی فلاح وکامیابی اور تعمیر وترقی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت بھی دراصل اسی کے لیے ہوتی رہی ہے، دنیا میں جتنے رہنما اور رشد وہدایت کے بانیان گزرے ہیں سبھوں کے سامنے اور سبھوں کا مقصد اصلی بھی تاریخ نے انسانیت کی تعمیر وترقی اور اس کی فلاح وبہبود ہی محفوظ کی ہے، غرض اس دنیا میں پائے جانے والے ہزاروں کام میں سب سے اہم کام اور ہزاروں انواع کی مخلوقات میں سب سے اہم مخلوق انسان کی تعمیر وترقی، فلاح وکامیابی اور اس کی اصلاح وہدایت ہی اصل واہم ہے۔اس روئے زمین پر سب سے اخیر میں اور سب سے زیادہ صحیح وکامل ترین کتاب جو نازل کی گئی اس کا بھی مقصد اصلی تمام انسانوں کی ہدایت و رہنمائی ہی بتائی گئی، ارشاد ہے:’’شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس و بينٰت من الهدى و الفرقان ‘‘ (البقرۃ:۱۸۵) (ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں کھلے ہوئے دلائل ہیں ہدایت اور حق وباطل میں امتیاز کے) دوسری جگہ فرمایا:’’هذا بيان للناس و هدى و موعظة للمتقين ‘‘ (آل عمران:۱۳۸) (یہ ایک اعلان ہے سارے لوگوں کے لیے اور ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ونصیحت ہے) مکہ کی سرزمین میں خانہ کعبہ جس کو پوری دنیا کی سب سے پہلی سطح زمین بننے کا شرف حاصل ہے اور جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک تمام انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قبلہ وکعبہ رہا ہے اور ہے، قرآن کریم نے اس کو بھی تمام انسانوں کی رشد وہدایت کا مرجع قرار دیا:’’إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مبارکا و هدى للعٰلمين ‘‘ (آل عمران:۹۶) (سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے سب کے لیے برکت والا اور سارے جہان کے لیے رہنما ہے) قرآن کریم نے تو اپنے ماقبل انبیاء علیہم السلام پر کتابوں کے نزول کا بھی سب سے بڑا اور اہم مقصد انسانیت کی تعمیر وترقی، فلاح وبہبود اور اس کی ہدایت ورہنمائی ہی کو قرار دیا، قرآن کہتا ہے’’ و أنزل التوراة و الإنجيل من قبل هدى للناس و أنزل الفرقان ‘‘ (آل عمران:۴) (اور اس نے اتارا تھا توریت اور انجیل کو اس سے پیشتر لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اس نے فرقان کو اتار) دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے’’قل من أنزل الكتٰب الذي جاء به موسى نورا و هدى للناس ‘‘ (الأنعام:۹۱) (آپ کہیے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے لے کر موسیٰ آئے تھے بجائے خود بھی نور اور لوگوں کے لیے ہدایت بھی) بلکہ تمام اقوام عالم میں سے ہر قوم کی طرف الگ الگ مستقل طور پر ایسے رہنما اور مرشد بھیجے جانے کا تذکرہ قرآن کریم نے کیا ہے جن کا مقصد صرف اور صرف انسانوں ہی کی انسانیت کی طرف رہنمائی اور ان کی تعمیر رہی ہے، قرآن کریم آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے’’إنما أنت منذر و لكل قوم هاد ‘‘ (الرعد:۷) (بے شک آپ تو بس ایک ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے) اور ایک جگہ ارشاد فرمایا’’ولكل أمة رسول ‘‘ (یونس:۴۷) (اور ہر امت کے لیے ایک پیام رساں ہوا ہے) اور’’و إن من أمة إلا خلا فيها نذير ‘‘ (فاطر:۲۴) (اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں ڈرانے والا نہ گزرا ہو) اور انبیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آخری کڑی اور آخری نبی وخاتم المرسلین کی حیثیت سے جب آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا تو ارشاد ہوا’’ و ما أرسلنٰك إلا كافة للناس بشيرا و نذيرا ولكن أكثر الناس لا يعلمون ‘‘ (سبا:۲۸) (اور ہم نے تو آپ کو سارے ہی انسانوں کے لیے پیمبر بنا کر بھیجا ہے بطور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے کے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) غرض انسان کی تعمیر وفلاح اور اس کی رہنمائی وہدایت، دنیا کے تمام کاموں میں سب سے افضل اور اہم کام ہے جس کے لیے تمام انبیاء کی بعثت ہوئی اور تمام کائنات سجائی گئی، آپ ﷺ کی خدمت میں جب کفار مکہ کی اہم شخصیتوں نے ایک ساتھ جمع ہو کر حاضری دی اور دنیا کی ساری نعمتوں کو آپ کی خدمت میں ڈال کر اس کام سے باز آجانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کو یکسر مسترد فرما دیا اور اس کام کی اہمیت کو ان کے سامنے اس انداز میں واضح فرمایا’’مالي ما تقولون، ما جئت بما جئتكم به أطلب أموالكم، و لا الشرف فيكم، و لا الملك عليكم، ولكن الله بعثني إليكم رسولا، و أنزل علي كتابا، و أمرني أن أكون لكم بشيرا و نذيرا فبلغتكم رسالات ربي، و نصحت لكم، فإن تقبلوا مني ما جئتكم به فهو حظكم في الدنيا و الآخرة و إن تردوا علي أصبر لأمر الله حتى يحكم الله بيني و بينكم ‘‘ (سیرۃ ابن ہشام، زعماء قریش تفاوض الرسول ﷺ:۱/۲۸۶) (جو تم لوگ کہہ رہے ہو ویسی بات نہیں ہے، میں جو چیز تمہارے پاس لے کر آیا ہوں نہ تو اس سے مقصود تمہارے مال کو طلب کرنا ہے، نہ تمہارے درمیان عزت وشرف کو طلب کرنا ہے اور نہ ہی تمہارے اوپر بادشاہت مقصود ہے، بلکہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا اور مجھ پر ایک کتاب نازل فرمائی اور مجھے حکم دیا کہ میں تمہیں خوشخبری سناؤں اور ڈراؤں، تو میں نے تم تک اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی، اگر تم لوگ اس کو قبول کرتے ہو جو میں لے کر آیا ہوں تو تمہارے لیے دنیا وآخرت میں سعادت کی بات ہوگی اور اگر تم رد کر دیتے ہو تو میں صبر کروں گا اللہ کے حکم کے مطابق، یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے) اس سے بھی زیادہ مضبوط اور ٹھوس موقف آپ ﷺ نے اس وقت اختیار کیا جب کفار قریش نے چچا ابو طالب سے آکر درخواست کی تھی کہ وہ آپ ﷺ کو ان کاموں سے باز رکھیں یا پھر درمیان سے ہٹ جائیں، قریش مکہ کی ان باتوں سے چچا ابو طالب گھبرا گئے اور آپ ﷺ کو بلا کر کہا:’’فابق علي و على نفسك، و لا تحملني من الأمر ما لا أطيق ‘‘ کہ مجھ پر اور اپنے اوپر رحم کھاؤ اور مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں، آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ چچا ابو طالب بھی میری نصرت وحمایت سے کمزور پڑ رہے ہیں تو آپ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ فرمایا جس سے آپ کی عزیمت وہمت ہی کا نہیں بلکہ اس کام کے سلسلہ میں آپ کی ثابت قدمی، جوانمردی، حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کا ٹھوس اور محکم ثبوت ملتا ہے، جو ہمیشہ اس راہ کے مسافر کے لیے ہمت افزائی ومہمیز کا کام کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا، آپ ﷺ نے چچا کو مخاطب کر کے دوٹوک انداز میں فرمایا’’ يا عم : و الله لو وضعوا الشمس في يميني و القمر في يساري على أن أترك هذا الأمر حتى يظهره الله أو أهلك فيه ما تركته ‘‘ (سیرۃ ابن ہشام مادارین رسول اللہ ﷺ وأبي طالب:۱/۲۶۱) چچا جان: اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر بھی دیدیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں تو میں اس سے کبھی بھی باز نہیں آسکتا یہاں تک اللہ اس کام کو غالب فرما دے یا پھر میں اسی راہ میں کام آجاؤں۔ یہ الفاظ آج بھی اپنی حقیقت ومعنویت کے ساتھ ہر اس شخص کو دعوت فکر وعمل دے رہے ہیں جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو دنیا میں عام کرنے کی کوشش کر رہا ہو اور دنیوی جاہ ومنصب اور مال ودولت اسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس کام سے روکنے کے درپے ہو۔ چنانچہ انسان وانسانیت کی فلاح وکامیابی اور تعمیر وترقی کے لیے سب سے اخیر میں ایسی ہی ذات کو مبعوث فرمایا گیا جو اس کام کے لیے اپنے عزم وارادہ کے لحاظ سے بہت ٹھوس اور مضبوط ہی نہیں بلکہ اپنے عمل وکردار کے لحاظ سے بھی سب سے کامل ومکمل تھا، جس نے صرف پند ونصائح سے ہی کام نہیں لیا اور نہ ہی اوامر ونواہی کے سلسلہ میں صرف اپنی زبان ہلاتا رہا، بلکہ اس سلسلہ میں جو سب سے افضل وبہتر طریقہ ہو سکتا ہے کہ خود کو مجسم عمل بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دے وہ کیا، علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں’’سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں، نہ جبر وزور سے کام کیا جائے؛ بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش ونگار ہیں‘‘ (سیرۃ النبی:۱/۱۸) آگے لکھتے ہیں’’کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے، جس کا نام مبارک ’’محمد‘‘ (رسول اللہ) ہے، اللھم صل علیه و سلم صلوة و سلاما کثیرا کثیرا یہ ضرورت صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ ہے کہ مجموعہ ضروریات دینی ودنیوی ہے۔‘‘ (سیرت النبی:۱/۲۱) اسی کے ساتھ مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ سے شروع سے آج تک مضبوطی کے ساتھ رشتہ جڑا اور قائم رہا ہے، یہ امت مسلمہ کسی بھی دور میں اپنے نبی ﷺ سے بالکلیہ کٹ کر الگ تھلگ نہیں ہوئی، نہ ان کی تعلیمات دنیا سے ناپید ہوئی اور نہ ہی وہ تحریف وتبدیلی کا شکار ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی اس عملی زندگی کے ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو اپنے قول وعمل میں آپ ﷺ کا عکس وپرتو نظر آنے لگی اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی گئے یہی کردار ادا کیا اور اسلام کی عملی تصویر پیش کرتے رہے۔ غرض آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ، اسوہ ونمونہ کی حیثیت سے کسی خاص قوم ومذہب، علاقہ وملک، زبان ورنگ اور نسل وخاندان کے لیے مخصوص نہیں بلکہ اس کا دائرہ پوری انسانیت، پورے عالم اور تمام انسانوں کے لئے عام ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے ہر شخص آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر اپنی تعمیر خود کر سکتا ہے اور دنیا وآخرت کی فلاح وسرخروئی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کی ہمہ گیریت وعالمگیریت کو جہاں واضح کیا وہیں آپ ﷺ کی ذات اقدس کو پورے عالم کے لئے رحمت قرار دیا، فرمایا’’وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ‘‘ (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے آپ کو (اے پیمبر) دنیا جہاں پر (اپنی) رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غیر مسلم کی زبانی آپ ﷺ کا دنیا کے کامل ترین انسان ہونے کا اعتراف اس انداز میں نقل فرمایا ہے’’مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ اللہ تعالی کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں، سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتا ہو، شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہوا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، بالتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب ومفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، اللہ کو بھولی ہوئی دنیا کے سدھارکی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا کہ اپنے اللہ کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے برا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی اور ان کا بھلا چاہا، لیکن اللہ تعالی کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم اس کو شاہ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔‘‘ (خطبات مدراس:۸۵-۸۸)

یہ حالات زندگی ہیں پیغمبر اعظم ومصلح اعظم ﷺ کے جو آج بھی اس ترقی یافتہ دور اور تمدن وکلچر کے زمانہ میں پوری طرح ساری دنیا کے لیے اور طبقۂ انسانی کے ہر فرد کے لیے مکمل اسوہ ونمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ آپ ﷺ کے سوا کوئی ایسی ذات وشخصیت پیش ہونے کے قابل نہیں جس کی سیرت ہر سطح کے لوگوں کے لیے نمونہ وآئیڈیل بن سکے، اس لیے آج دنیا امن وسکون کا گہوارہ بننا چاہتی ہے اور ہر طرح کے شر وفساد اور دہشت وخوف سے محفوظ رہنا چاہتی ہے تو آپ ﷺ کی سیرت اور زندگی کو سامنے رکھ کر اپنی تعمیر وترقی اور فلاح وکامیابی کے لئے راستہ کا انتخاب کرے، البتہ اس کے لیے مسلمانوں کو سامنے آنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی، رہن سہن، طور طریقہ اور معاملات وکاروبار کو آپ ﷺ کی زندگی اور سیرت کے سانچے اور آئینہ میں ڈھال کر دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کرے کہ مسلمان ہی اصلاً اس کے مسئول وذمہ دار ہیں،’’كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله ‘‘ (آل عمران:۱۱۰) اور تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جس کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کے دربار میں بھرے مجمع کے اندر ان الفاظ میں اظہار کیا’’الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله و من ضيق الدنيا إلى سعتها و من جور الأديان إلى عدل الإسلام ‘‘ (البدایہ والنہایہ:۷/۴۶) (اللہ نے ہم کو دنیا میں بھیجا تا کہ وہ جس کو چاہے اس کو ہم بندوں کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم وزیادتی سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف نکال لائیں۔

و صلى الله على النبي الكريم و على آله و صحبه و سلم

سیرت طیبہ اور احترام انسانیت

مفتی وصی احمد قاسمی، نائب قاضی شریعت امارت شرعیہ

مذہب اسلا کی تعلیمات وہدایات کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ انسانیت کے احترام اور اس کے اعلی اقدار کے تحفظ کو ہر حال میں یقینی بنانے پر زور دیا جائے، یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی غیرانسانی سلوک اور قبل اسلام سماج میں رائج درندگی وحیوانیت پر قدغن لگانے کی تاکید کی اور عالم انسانیت کے حقوق کو بازیابی کے لئے آفاقی اصول(GLOBAL IDEOLOGY)بیان کیا، ذات وبرداری کی بناپر عزت وذلت کے معیار کو ختم کرتے ہوئے پوری انسانی برداری کو ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد قرار دیا تاکہ دلوں کی پراگندگی اور عصبیت جوکہ خاندانی برتری کی بناپر ہے اس کو ختم کر کے رنگ ونسل، زبان وسرحد کے امتیاز کے بغیر انسانیت کے احترام کے جذبہ کو فروغ دیا جاسکے۔

یایھاالناس انا خلقنکم من ذکروانثی وجعلنکم شعوباوقبائل لتعارفواان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم (الحجرات:۱۳)محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں، مزدوروں، غلاموں، بچوں، بوڑھوں دوستوں، دشمنوں اور ہمسایوں کے حقوق کو واضح طور پر بیان کر کے اس بات کی تعلیم دی کہ ذات وبرادری، رنگ ونسل اور روزگار پیشہ کی بنیاد پر کسی کو حقیر وکمتر تصور نہ کیا جائے بلکہ مذہب وذات پات کی اونچ نیچ سے اوپر اٹھ کر انسانی حقوق رواداری اور وضعداری میں یکساں برتاؤ اور برابری کا معاملہ کیا جائے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل دنیا کی جو قومیں تہذیب یافتہ اور متمدن سمجھی جاتی تھیں، مثلا مصر، یونان اور روم ان کی مذہبی اوراخلاقی حالت یہ تھی کہ وہاں ہرجگہ پتھر کی مورتوں اور مٹی کے صورتوں اور چاندی سونے اور جواہرات کی پوجا کی جاتی تھی، لوگ سورج چاند اور ستاروں کو خدا مانتے تھے، اورانہیں کے نام پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں دیتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس وقت دنیا میں اخلاق کے تین معلم تھے، رواقی، عیسائی اور بدھ مت کے پیرو، اور یہ تینوں تجرد ورہبانیت اور جوگی پن میں مبتلا ہو کر اس طرح عضو معطل ہوگئے تھے کہ دنیا کا دست ترقی شل ہو کر رہ گیا تھا، اور ایسی سنگ دلانہ ریاضتوں کو نیکی اور عبادت سمجھ رکھا تھا کہ ہرقوم دوسری قوم سے برسرپیکار اور ہرقبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا تھا، حرص وطمع اور کشت وخون کی گرم بازاری تھی، نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوتا کے سامنے پامال ہوچکی تھی، عدل وراستی اور پاک بازی وپارسائی کے عطر کی خوشبو انسان کے جامہ خاکی سے اڑ چکی تھی، توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، شہیدوں، ولیوں اورمجسموں کی پرستش کی، عالمگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا(سیرت النبی ۴؍۱۱۷)پوری دنیا کی حالت نہایت ابتر تھی، صحیح عقیدہ کا نام ونشان نہ تھا، بلکہ پوری دنیا کا ذرہ ذرہ توحید کی روشنی سے محروم تھا۔

ایران کو اس وقت سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا تھا، اور پورے براعظم ایشیاء میں اس کا تمدن غالب تھا، لیکن خود ایران کی تمدنی گراوٹ کا یہ عالم تھا کہ وہاں بابل کے اثر سے ستاروں کی پوجا عام تھی، جس کی تاریکی میں زردشت نے اپنی آگ روشن کی اور نور وظلمت اور خیروشر کے خالق یزدان واہرمن اس کے دو خالق تھے، سلاطین وامراء درجہ بدرجہ رعایا کے خدا اور دیوتا تھے، جن کو سجدے کئے جاتے تھے ان کی ربوبیت کے گیت گائے جاتے تھے، دربار میں ان کے برابر کوئی بیٹھ نہیں سکتا تھا، ان کی تہذیب واخلاق کے انحطاط کا عالم یہ تھا کہ باپ اپنی بیٹی اور بھائی اپنی بہن سے شادی کر لیتا تھا، عورتوں کی بے وفائی بداخلاقی اور ان پر عدم اعتماد ایرانی تمدن کا سب سے بڑا حصہ تھا، چنانچہ ایک شخص کی بیوی مختلف مردوں سے ہم بستر ہوسکتی تھی۔روم کی حالت زار اور ذلت وپستی کی منظر کشی کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مشرق کی رومن شہنشاہی میں ٹیکسوں کی بھرمار تھی، بار بار انقلابات اور بغاوتیں ہوتی تھیں۔صرف ۵۳۳ء کے ایک فساد میں قسطنطنیہ کے تیس ہزار آدمی قتل کئے گئے، ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور دلچسپی کسی نہ کسی ذریعہ سے مال حاصل کرنا پھر عیش وعشرت میں اس کو خرچ کرنا تھا، تفریح وتعیش میں وہ اتنا بڑھ گئے تھے کہ ان کی سرحد میں درندگی وبربریت سے مل گئی تھیں(نبی رحمت ۳۴)۷۰ء میں روم کے حکمراں ''ٹے ٹس'' نے شہر بیت المقدس اور ہیکل کو نذر آتش کر دیا، جس سے لاکھوں لوگ زندہ آگ میں جل کر مر گئے تھے، اور جو افراد باقی رہ گئے ان کو قتل کر دیا گیا اور اس حملہ میں توریت کے جتنے نسخے پائے گئے ان سب کو اپنے ساتھ لے گیا، روم کے مذہبی پیشواؤں نے حب جاہ اور حب مال کی خاطر سفاکیوں کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ جن کو لکھنے سے قلم لرزتا ہے، اور پڑھنے کے بعد دل دہل اٹھتا ہے۔

عیسائیوں کے اسقف اعظم یعنی بڑے پوپ نے ایک مرتبہ غیر مسلح یہودیوں پر ہلہ بول دیا اور ان سب کو جلاوطن کر دیا، بالآخر روم کی حالت ایسی ہوگئی کہ وہ اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہونچ گیا، ملک ہندوستان کی حالت بھی اخلاقی انحطاط وزوال کے اعتبار سے روم وایران سے کچھ کم نہیں تھی، باوجودیکہ دلت سماج کی تعداد اس وقت بھی کثرت سے تھی اور آج بھی ملک کی کثیر آبادی دلت اور پچھڑی برادریوں پر مشتمل ہے، ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا، عورتوں کی عزت وعصمت کی پوزیشن یہ تھی کہ خاوند اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا، ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے، جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجاتا تو اس کو دوبارہ قانونا شادی کرنے کا حق حاصل نہیں تھا، خوشحال اور سربرآوردہ خاندان کی عورتیں اپنے شوہر کے انتقال کے بعد نذر آتش ہوجانا پسند کرتی تھیں، عورتیں بیچی اور خریدی جاتی تھیں، لڑائیوں میں شکست کے خدشے سے باپ اپنی بیٹی اور بھائی اپنی بہن کو قتل کر دیا کرتے تھے، یہی نہیں بلکہ انسانیت کی تذلیل وشرمساری کی انتہا یہ تھی کہ ہندوستان کے باشندے چار طبقوں میں منقسم تھے۔(۱) برہمن یہ مذہب کے اجارہ دار تھے، ان لوگوں کو معاشرے میں اس قدر بلندی حاصل تھی کہ خواہ کتنے بھی سنگین جرائم کا ارتکاب کریں بدکرداریوں سے دنیا کو بھر دیں مگر ان کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔(۲) چھتری فوج میں بھرتی ہونے والے افراد(۳) ویش کھیتی باڑی کرنے والے افراد(۴) اچھوت یعنی نوکری چاکری کرنے والے افراد۔چھوٹے طبقہ کے افراد جو کہ تعداد میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، ان کی نکبت وپستی کی یہ حالت تھی کہ اگر یہ کسی اعلی درجہ والے کو چھو لے تو اس کو سزائے موت دی جاتی تھی، نہ یہ لوگ اپنے لئے کما سکتے تھے نہ جمع کر سکتے تھے، نہ انہیں کسی برہمن کے برابر بیٹھنے کی اجازت تھی نہ ان کے لئے کسی مقدس کتاب کا مطالعہ جائز تھا۔عرب کی اخلاقی پستی اور انسانوں کے مابین عدم مساوات ونابرابری کے سلسلہ میں علامہ سید سلیمان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رات ودن کی لوٹ مار کشت وخون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہوگئے تھے، زندہ اونٹ اور دنبہ کے کوہان اور چکیاں کاٹ کر کباب بناتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے اور عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتی، کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے، عورتیں بدترین مخلوق اور ہر قسم کے جبر وتعدی کا تختہ گاہ مشق تھیں، رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہونچی کہ جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو زندہ کسی میدان میں گڈھا کھود کر گاڑ دیا جاتا۔انسانی اقدار کی پامالی کا علم یہ تھا کہ شکست خوردہ قوم کے مردوں کا بس ایک ہی مصرف تھا کہ فاتح قوم ان کو کھیل اور تماشہ بینوں کے سامنے قتل کر کے داد شجاعت حاصل کر پاتے، ہزاروں درندوہ جانوروں کے درمیان کئی کئی ہزار یہودیوں کو بند احاطہ میں چھوڑ کر درندگی وحیوانیت کے مظاہرہ سے اپنا دل بہلانا رومیوں کا محبوب مشغلہ تھا، گویا پوری انسانیت ذلت ورسوائی کے آخری دہانے پر پہونچ کر بے بس بے کس اور لاچار ومجبور ہوگئی تھی۔

رحمت دوعالم جب دنیا میں تشریف لائے اس وقت انسانی تذلیل وتحقیر کی داستان آسمان چھو رہی تھی، تین قسم کی غلامی کارفرما تھی (۱) خرید وفروخت (۲) ذات ونسل (۳) اقتصادی زبوں حالی کی زندگی۔محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے روم وایران اور ہندوستان کے حالات کا مظاہرہ فرمایا اور اعلان کیا کہ کوئی غلام نہیں ہے، آقا ومولی اللہ کے سوا کوئی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سسکتی، تڑپتی اور حیوانیت کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت کی تکریم وتوقیر کا حکم دیتے ہوئے غلاموں کی آزادی وبرابری کا درجہ دینے کی ہدایت فرمائی، اونچ نیچ کے فرق کو ختم کر کے یہ ترغیب دی کہ جو تم کھاؤ ان کو کھلاء، جو تم پہنو ان کو بھی پہناؤ، اس اعلان کا ایسا اثر قائم ہوا کہ صرف ایک دن میں صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین نے انتالیس ہزار دوسوانسٹھ غلام آزاد کئے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات ونسل کی غلامی یعنی اونچ نیچ مثلا یہ برہمن ہے یہ چمار ہے یہ کالا ہے یہ گورا ہے، اس کا ذلیل پیشہ ہے یہ اونچ خاندان کا ہے وغیرہ وغیرہ، اس امتیاز کے غرور گھمنڈ کو توڑتے ہوئے ارشاد فرمایا ''**کلکم من بنی آدمی وآدم من لافضل لعربی علی عمجی ولالعجمی علی عربی الابالتقوی**''

اے انسانوں! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی حقیقت مٹی ہے، کسی عرب کو غیر عرب پر یا غیر عرب کو کسی عرب پر کوئی فضیلت، سوائے پاکبازی اور خداترسی کے حاصل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز زندگی سے یہ واضح فرمادیا کہ غلام بحیثیت انسان توقیر وتکریم کا حقدار ہے، چنانچہ حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ہمدردی اور خیرخواہی کا مظاہرہ فرمایا وہ قیامت تک کے تمام انسانوں اور حقوق انسانیت کے علمبرداروں کے لئے سبق آموز اور اسوہ کی حیثیت رکھتا ہے۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھتیجے نے ایک غلام خرید کر دیا جو ایک لڑکا تھا، اور اس لڑکے کا نام زید تھا، جب حضرت خدیجہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ غلام ہبہ کر دیا، اور یہ لڑکا یمن کا رہنے والا تھا، اور اس تعلق عیسائی گھرانے سے تھا، جب اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ اس کا نور نظر مکہ میں غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا مکہ لینے آئے اور یہاں آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کہا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ بڑے اعلی اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود بھی آپ لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیرخواہی کا معاملہ کرتے ہیں اس وقت ہم آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آئے ہیں، امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے، کہا کہ کئی سال ہوا کہ میرا لڑکا اپنی ماں کے ساتھ اپنے نانیہال جا رہا تھا کہ راستے میں ڈاکہ پڑا، ڈاکوؤں نے ہمارے بیٹے کو پکڑ لیا اور پھر اسے بیچ دیا، ہمیں لوگوں سے معلوم ہوا کہ ہمارا بیٹا یہاں مکہ میں ہے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ ہمارا بیٹا ہمیں مل جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم زید کی بات کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! زید ہمارا بیٹا ہے جو آج آپ کا غلام ہے، ہم آپ سے اپنا بیٹا مانگنے آئے ہیں، آپ ہم سے اس کے عوض جتنا مال لینا چاہیں لے لیں ہم دینے کو تیار ہیں، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ میں پڑ گئے کیونکہ آپ زید سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور زید کو بھی آپ سے بہت لگاؤ تھا، اس کے باوجود زید سے اس کا منشا پوچھا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے والد کے ساتھ چلے جائیں اور اگر وہ رہنا چاہیں تو میں ایسا نہیں ہوں کہ جو مجھ سے محبت کرے اسے خود سے جدا کر دوں۔حارثہ کو بالکل یہ توقع نہیں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا جواب دیں گے، کیونکہ اس سے قبل انہوں نے ایسا معاملہ کبھی دیکھا تھا اور نہ سنا تھا، اس لئے انہوں نے برجستہ کہا کہ آپ نے تو انصاف سے بھی بڑھ کر بات کہہ دی، چنانچہ زید کو بلایا گیا اور جب زید حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان دونوں کو پہنچانتے ہو؟ زید نے جواب دیا جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں تم مجھے بھی جانتے ہو تم چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو اور چاہو تو گھر جاسکتے ہو، حضرت زید نے جواب دیا کہ میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا، حارثہ اور ان کے بھائی یہ جواب سن کر حیران رہ گئے اور بول اٹھے بیٹا! تم ماں باپ عزیز رشتہ دار، گھربار چھوڑ کر غلامی میں رہنا پسند کرتے ہو؟ زید نے کہا جی ہاں! خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے جیسا پایا ویسا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، میں آپ پر اپنی جان لٹانے کو تیار ہوں۔ایسا تھا ہمارے آقا محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ سلوک کہ لوگ آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتے تھے، (بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی خدمت

مولانا سہیل احمد ندوی نائب ناظم امارت شرعیہ

رسول رحمت: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بے شمار پہلو میں سے ایک نمایاں وصف انسانی خدمت کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے طرز عمل سے انسانی خدمت کے باب میں نایاب نمونہ پیش کیا بلکہ اپنے صحابہ کو انتہائی درجہ کی تاکید فرماتے تھے، کمزوروں کو سہارا دینے، گرتے ہوؤں کو تھامنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے، پیاسوں کو پانی پلانے، لاچار اور مجبور لوگوں کی مدد کرنے اور مظلوموں کو انصاف دینے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درجہ اہمیت دی کہ اس کو سب سے پسندیدہ عبادت قرار دیا۔ اور انسانی خدمت کے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان وکفر، رنگ ونسل، ذات وعلاقہ کے اعتبار سے کسی بھی قسم کی تفریق نہیں فرمائی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا باب نہ صرف انسانوں کو محیط تھا بلکہ جانوروں، چرند وپرند حتیٰ کہ پیڑ پودے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم سے مستثنیٰ نہ تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف اس جہان آب وگل کے لیے بلکہ کائنات کے تمام جہانوں کے لیے اور خدا کی مخلوق کے ہر فرد کے لیے رحمت قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ'' (الا نبیاء : ۱۰۷) اس آیت کریمہ میں پیغمبر اسلام رسول رحمت محمد ﷺ کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے، جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ نمایاں اور اہم ہے کہ ''ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لئے ''سراپا رحمت'' بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کسی ایک ملک، کسی ایک قوم، کسی ایک نسل ہی کے لئے نہیں، بلکہ تمام دنیا کے لئے سراپا رحمت تھے، چاہے انسان ہو یا غیر انسان۔

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''یہ وصف (یعنی وصفِ رحمت) بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالے کر دی ہے، اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ لے سکتے ہیں، اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لئے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا اعتراف، حقیقت کے لئے کریں۔

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہئے، ہر طرح کی ضد ہی خوش اعتقادیوں سے منزہ ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک، کیوں کہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے۔ جہل وتعصب نے ہمیشہ اعلان حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے، لیکن روک نہیں سکی، اس کے فیصلے میں تاریخ نے دیر لگائی، لیکن بالآخر اُسے تسلیم کرنا پڑا''۔ (رسول رحمت، ص:۷۳۳)

اسلام مکمل نظام حیات کا نام ہے: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جو دین ہم تک پہونچا ہے وہ محض عبادتوں اور وظیفوں کے مجموعے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ دین فطرت ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنمائی عطا کرنے والا اور ایک منظم ومربوط نظام حیات عطا کرنے والا ہے۔ اس نظام کے کسی شعبے میں کوئی خلاء نہیں ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، جہاں یہ محسوس ہوتا ہو کہ اسلام میں اس کے متعلق ہدایات موجود نہیں ہیں، گویا انسانی زندگی کا کوئی شعبہ خدا اور رسول کی رہنمائی اور ہدایت سے خالی نہیں ہے۔

سیرت نبوی میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت نبی کریم ﷺ نے سماج میں رہنے والے ہر فرد، خواہ وہ کسی بھی مذہب کو ماننے والا ہو، کسی بھی علاقے، رنگ ونسل اور قبیلہ سے اسکا تعلق ہو، اس کے حقوق بیان فرمائے ہیں، یہ حقوق دو قسم کے ہیں: پہلی قسم انفرادی حقوق کی ہے، جب کہ دوسری اجتماعی حقوق کی ہے، انفرادی حقوق کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر کیا حق ہے، یعنی ماں باپ کا حق، اولاد کا حق، میاں بیوی کے حقوق، بھائی بہنوں کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، استاذ اور شاگرد کے حقوق، خود اپنی ذات کا حق اپنے اوپر، یہ سب انفرادی حقوق ہیں، جن کی تفصیلات رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔

اجتماعی حقوق کا معنی یہ ہے کہ ملت اور سماج کا ملت اور سماج کے ہر فرد پر کیا حق ہے، سماج کا جو مشترکہ حق افراد پر ہے، اُسے ''سماجی خدمت'' یا ''سوشل ورک'' کہتے ہیں۔ اجتماعی طور پر معاشرہ جو انسان سے تقاضا کرتا ہے، اس تقاضے کو پورا کرنا ''سماجی وانسانی خدمت کہلاتا ہے، اس پیمانے پر دیکھا جائے تو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے بڑھ کر اور کوئی سماجی وانسانی خدمت گذار نہیں رہا اور پھر انبیاء میں سب سے بڑے سوشل ورکر اور انسانی خدمت گذار جناب نبی کریم ﷺ ہیں۔

اسلام اپنے ماننے والے ہر فرد سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہر سماج کا ہر فرد ایک دوسرے کے حق کو پہچانے، ایک دوسرے کے جذبے کا لحاظ رکھے، ایک دوسرے کی خدمت کے لئے تیار رہے، اور اجتماعی زندگی میں اخوت و ہمدردی، جاں نثاری وخدمت گذاری کا جذبہ کارفرما ہو سماج کو برائیوں سے محفوظ رکھے اور معاشرے میں فتنہ وفساد پیدا نہ کرے، جو اجتماعی زندگی کے نظام کو درہم برہم کر ڈالتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''ویسے ہر مجموعہ ضوابط کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے لئے دو باتیں بہ طور خاص پیش نظر رہنی چاہیے:

۱۔ آیا اجتماعی زندگی کے لئے قوانین بنانے کے سلسلے میں جائز انفرادی انسانی حقوق کا پورا لحاظ رکھا گیا؟ ایسا نہ ہو تو جائز انفرادی حقوق اور اجتماعی قوانین میں تصادم کی نوبت آتی رہے گی اور ان حالات میں کوئی معاشرہ اختلافات سے زیادہ عرصے تک محفوظ نہ رہ سکے گا۔

۲۔ اجتماعی قوانین کی غرض وغایت کیا ہے؟ کیا یہ ہے کہ افراد کے درمیان باہم محبت، رحمت اور راء فت کو فروغ حاصل ہو؟ جس سے اجتماعی زندگی کی بنیادیں زیادہ سے زیادہ مستحکم ہو جائیں گی، افراد اجتماعی نظام کے عقیل، فہیم، عاقبت اندیش اور حق شناس کارکن بنے رہیں گے، ان میں ایک دوسرے کے حقوق کی حدوں کا اندازہ کر لینے کے تمیز زیادہ قوی ہوتی جائے گی اور ایک دوسرے کا زیادہ سے زیادہ لحاظ ان کی ''فطرت ثانیہ'' بن جائیگا'' (رسول رحمت، ص:۷۵۹)

باہم سلوک کی مثالیں اگر ہم سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپسی سلوک اور حسن خلق کی بے شمار مثالیں ہمیں مل جائیں گی، فی الوقت صرف دو مثالیں دی جاتی ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو مومنوں کو باہم رحمت ومحبت اور مہربانی میں ایک جسم کے اعضا کی طرح دیکھے گا، جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم بے خوابی اور بخار کی دعوت بن جاتا ہے'' (مسلم شریف: حدیث نمبر: ۲۵۸۵)

۲۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم وہ مومن کامل نہیں ہوسکتا، وہ مومن کامل نہیں ہوسکتا۔ وہ مومن کامل نہیں ہوسکتا، کسی نے عرض کیا، یارسول اللہ کون؟ فرمایا: جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو'' (مسلم:۴۶)

غور کریں کہ اگر ہر ہمسایہ حضور ﷺ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہو جائے، ہر لحظہ خیال رکھے کہ اس کی کسی حرکت سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے تو پورا معاشرہ نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے شر سے پاک ہو جائے گا بلکہ تمام باشندوں میں ایک دوسرے کے متعلق انتہائی محبت واحترام اور انسانی خدمت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ ان دونوں مثالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی خدمت کے باب کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھا ایمان سے جوڑا ہے اور اس کو ایمان کا اہم جز قرار دیا ہے، اسی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں اور سیرت نبوی میں انسانی خدمت کی کس درجہ اہمیت ہے۔ سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والا ہر قاری سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی ذمہ داری ملنے سے پہلے سے ہی انسانی اور سماجی خدمت کے باب میں نمایاں تھے، حلف الفضول اور پہلی وحی کے نزول کے واقعات پڑھیے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ نبوت کے بالکل آغاز میں ہی آپ کا تعارف ایک ''انسانی خدمت گذار'' کے طور پر ہو چکا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیلؑ غارِ حرا میں پہلی وحی لے کر آئے تو اس غیر معمولی واقعہ کی وجہ سے آپ کی طبیعت پر بے پناہ بوجھ پڑا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہؓ نے تسلی کے طور پر یہ کلمات کہے ''واللہ لا یخزیک اللہُ ابداً'' خدا کی قسم! آپ تسلی رکھئے، اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا نہیں کریگا''

پھر حضرت خدیجہؓ نے اپنی بات کو پختہ کرنے کے لیے جو دلیل بیان کی وہ یہ تھی کہ آپ لوگوں کے کام آتے ہیں، آپ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو ملانے والے ہیں، بیواؤں اور لاوارث لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں۔ گویا کہ ایک نبی کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا تعارف ہی انسانی خدمت کے حوالہ سے ہوا اور آپ کے ان نمایاں اوصاف کو بیان کر کے کہ آپ بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور غریبوں کے کام آتے ہیں؛ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا جو سماج کے کام آتا ہے، گویا کہ انسانی اور سماجی خدمت کو اسلام میں براہ راست فرد کی عزت اور تکریم کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ سماجی وانسانی خدمت معاشرہ کا حق ہے، معاشرہ کا یہ حق رسول اللہؐ نے خود بھی ادا کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی، جس کی تفصیل کے لئے ایک مضمون تو کیا، ایک ضخیم ودیوہیکل کتاب بھی ناکافی ہے، تاہم اس کی صرف ایک جھلک پیش کی جاتی ہے:

والدین کا حق ایک شخص نے خدمت اقدس ﷺ میں آکر دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ میرے حسن سلوک وخدمت کا مستحق کون ہے؟ فرمایا: تیری ماں، پوچھا: پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں، اس نے عرض کی، پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں، تین دفعہ آپؐ یہی جواب دیا، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا تیرا باپ۔ (مسلم)

ایک دن آں حضرت ﷺ نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور سرفہرست ماں کی نافرمانی کو قرار دیا اور فرمایا کہ تمہارے خدا نے والدین کی نافرمانی تم پر حرام کی ہے۔ (مسلم:۸۷) ایک صحابی نے دریافت کیا: یارسول اللہ! میں نے جہاد میں شرکت کا ارادہ کیا ہے اور آپ سے مشورہ چاہتا ہوں، فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ جواب اثبات میں دیا، فرمایا کہ: تم اسی کے ساتھ چپٹے رہو کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔ (ترغیب وترہیب:۱۲۴/۳)

حقوق زوجین حضور ﷺ نے فرمایا: خیارکم خیارکم لنسائہم (ترمذی:۱۱۶۲) کہ تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہے۔ ''ولنسائکم علیکم حقاً'' (ترمذی:۱۱۶۳) کہ تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے، شوہروں کے حقوق کے بارے میں فرمایا کہ: اگر کسی کو اللہ کے علاوہ سجدہ کرنا جائزہ ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے۔ (ترمذی:۱۱۵۹) ایک موقع سے فرمایا کہ: اگر کوئی عورت مرجائے اور اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ جنت میں جائیگی۔ (ترمذی:۱۱۹۱)

یتیموں کے حقوق: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''انا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا'' کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والے کے درمیان تھوڑا ہی فاصلہ ہوگا۔ آج دنیا کے شہر شہر میں یتیم خانے قائم ہیں، مگر اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا محمد ﷺ سے پہلے بھی یہ بدقسمت گروہ اس نعمت سے آشنا تھا، تو تاریخ کی زباں سے جواب نفی میں ملے گا۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اس مظلوم فرقہ کی دادرسی کی، عرب پہلی زمین ہے جہاں کسی یتیم خانہ کی بنیاد پڑی اور اسلام کی حکومت دنیا کی پہلی حکومت ہے، جس نے اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور عرب، مصر، عراق، ہندوستان جہاں جہاں مسلمانوں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں ڈالیں، ساتھ ساتھ ان مظلوموں کے لئے بھی امن وراحت کے گھر بنائے، ان کے وظیفے مقرر کئے، مکتب قائم کئے، جائدادیں وقف کیں اور دنیا میں ایک نئے انسٹیٹیوشن کی طرح ڈالی اور قانوناً اپنے قاضیوں کا یہ فرض قرار دیا کہ وہ بے والی وسرپرست یتیموں کے سرپرست ہوں، ان کی جائدادوں کی نگرانی، ان کے معاملات کی دیکھ بھال اور ان کی شادی بیاہ کا انتظام کریں اور وہ یہ دستور ہے جن کی پیروی آج پورب کے ملکوں میں کی جاتی ہے اور لندن کے لارڈ میر یا آفس کورٹ کے حکام مسلمان قاضیوں کے ان فرائض کی نقل کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ۱۴۳/۶)

حاجت مندوں کے حقوق: حضور ﷺ نے فرمایا؛ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائیگا۔ (متفق علیہ) (بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بوڑھوں کے حقوق

مولانا مجیب الرحمٰن قاسمی بھاگل پوری معاون قاضی امارت شرعیہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہی تعلیم اور تزکیۂ نفس کے لئے ہوئی ہے، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: وہ (رسول) ان کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا اور پاک وصاف کر کے نکھارتا ہے، (البقرہ:۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت معلم ربانی کئی طریقوں سے اخلاقی تعلیم کے فرائض کو انجام دیا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لئے بدلہ نہیں لیا، مگر یہ کہ کوئی شریعت کے حدود کو توڑے تو اس کو سزا دیتے تھے، سختی کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قریش کی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی، بعض مسلمانوں نے اس کی سفارش کرنی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں سے معمولی لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو سزا دی جاتی تھی، اور جب بڑے لوگ کرتے تھے تو ان کے حکام ٹال جاتے تھے، (صحیح البخاری: کتاب الحدود)

نرمی کی تعلیم کی متعدد مثالیں کتب سیرۃ میں بھری پڑی ہیں، ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا، اتفاق سے اس کو استنجا کی ضرورت پڑی، مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاروں طرف سے اس پر دوڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور فرمایا کہ سختی کے لئے نہیں بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو، اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر آپ نے اخلاق کی تعلیم دی، کہ یہ عبادت کی جگہ ہے، نجاست کے لئے نہیں، یہ خدا کی یاد اور نماز وقرآن پڑھنے کے لئے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے کہا کہ اس پر پانی بہادو۔ (صحیح البخاری)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق خواہ مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بچے قوی ہو یا ضعیف ہر ایک کے حقوق اور اخلاق کو صرف بیان ہی نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے ساتھ اخلاق کریمانہ کا برتاؤ کیا، اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر اجر وثواب کا مژدہ بھی سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں چھوٹوں پر شفقت کرنے کا حکم دیا وہیں بڑوں اور بوڑھوں کی عزت واحترام کا بھی حکم دیا ہے اور فرمایا کہ جو اس پر عمل نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا فلیس منا'' (الادب المفرد للبخاری: ۱۲۹) جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کے حقوق کو نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔

اس حدیث میں بڑوں کا ادب واحترام نہ کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں کا اسلام سے کمزور رشتہ ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں بھی بوڑھوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے، جماعت کی نماز میں بوڑھے اور بیمار شریک ہوتے ہیں؛ اس لئے امام کو حکم دیا گیا کہ آسانی اختیار کریں، اور زیادہ لمبی قراءت نہ کریں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے، کیوں کہ مقتدیوں میں کمزور بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں (صحیح مسلم: ۳۴۱)

بوڑھوں کے حقوق اور ان کے ساتھ رعایت کا معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص وصف تھا ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہدایت دی کہ جس نے عمر رسیدہ کی عزت اور ان کے ساتھ توقیر کا معاملہ کیا اس کا بدلہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں اس کی بھی عزت کی جائے گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے کی عزت کرے گا تو اللہ رب العزت اس کے لئے ایسے شخص کو مامور کرے گا جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرے گا (سنن ترمذی: ۳۲۷)۔

ہمیں ہر حال میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں عمر رسیدہ اور ضعیف لوگوں کا خیال رکھنا چاہئے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خاص معمول تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہیں ڈالتے جب تک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک برتن میں نہ ڈال لیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص پیغام تھا کہ جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں، لہٰذا ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے میں حتی کہ مجلس وغیرہ میں بڑے بوڑھے اور کمزوروں کا خیال رکھنا چاہئے، یہی اخلاق نبوی بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان نبوت سے ارشاد فرمایا ''الخیر مع اکابرنا'' یعنی خیرا کابر کے ساتھ ہے، اور کبھی فرمایا کہ ''البرکۃ من اکابرنا'' برکت ہمارے اکابر سے ہے۔ (باب الخیر والبرکۃ مع الاکابر، مجمع الزوائد) زبان نبوت سے نکلا ہوا یہ اہم پیغام اور اقوال زریں عمر رسیدہ لوگوں کی تعظیم وتکریم کے لئے نادر تحفہ ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ''تعاونوا علی البر والتقوی'' (المائدہ:۲) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

غرض یہ ہے کہ حتی الوسع حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنا اور اس کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اس کو پوری کرنا ہر مسلمان کا اخلاقی اور شرعی فریضہ ہے، جس کو ہر مسلمان کو ادا کرنا چاہئے، اس آیت کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا۔ (صحیحین) ایک دوسری روایت میں ہے ''واللہ فی عون عبدہ ما کان العبد فی عون اخیہ'' (الترمذی باب ماجاء فی الستر علی المسلمین) اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں ''وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِی تَسَآءَلُونَ بِہٖ وَالْاَرْحَام'' اور ڈرو اس رب سے کہ جس کا نام لے کر تم رشتہ داریوں کے حقوق مانگا کرتے ہو، (النساء:۱) اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے سماج میں رشتہ داروں کے ساتھ بالعموم بوڑھوں اور کمزوروں کے ساتھ بالخصوص قابل احترام مقام آج بھی موجود ہے۔

اسلام نے بڑوں اور بوڑھوں کی بے حرمتی کرنے، مذاق اڑانے، برا بھلا کہنے اور ان پر ہنسنے سے منع کیا ہے، اور بڑوں، کمزوروں کی توہین کرنے والوں کو منافق قرار دیا ہے، علامہ طبرانی نے اپنی کتاب ''معجم کبیر'' میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی کی توہین منافق ہی کر سکتا ہے ایک وہ شخص جو اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا، عالم کی توہین، اور عادل امام و بادشاہ کی توہین؛ لہٰذا اس سے بھی ہمیں سبق ملتا ہے کہ ہم بوڑھوں کے ساتھ عزت اور توقیر کا معاملہ کریں، اور لعنت سے اپنے آپ کو بچائیں۔

نیز جو شخص اسلام کی حالت میں عمر رسیدہ ہو کر بوڑھا ہو گیا اور اس کے بال سفید ہو گئے تو اس کو کل قیامت کے دن اللہ ایک نور عطا فرمائے گا، یہ اس کی عظمت کی علامت ہوگی، جس کی وجہ سے وہ عام لوگوں میں ممتاز ہوگا۔ حضرت کعب بن مرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو نوجوان اسلام میں بوڑھا ہو گیا اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا، (سنن ترمذی: ۴۷) اتنا ہی نہیں بلکہ ایک حدیث سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العزت اس بوڑھے شخص کے لئے ایک سفید بال کے بدلہ ایک نیکی عطا کرے گا اور ایک گناہ مٹائے گا، (ابوداؤد) نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ رب العزت کو شرم آتی ہے اس بات سے کہ اپنے بندے اور بندی کو جب وہ اسلام میں بوڑھے ہوں تو عذاب دیں، (کنز العمال: ۱۰-۴۷۲) عمر دراز کی عظمت و بڑائی کا تقاضہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اس کی تعظیم وتکریم کے لئے پختہ ارادہ اور عزم مصمم کر لیں، تاکہ سماج کے اندر جو کمزوروں کی تذلیل ہو رہی ہے اس کی مکمل اصلاح ہو سکے، اور قوم وملت کا ہر فرد اپنے ضعیف والدین کے لیے سہارا بن سکے اور جنت کے مستحق قرار پائے۔

آج جدید فکر سے ہم آہنگ لوگ بوڑھوں کے لئے اولڈ ہاؤس کے قیام کو ترجیح دیتے ہیں اور سماج کی ضرورت بتلا کر اسلامی حقوق کی پامالی کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو قرآن وسنت کا علم نہیں ہے اور ان کے قلوب ایمانی حرارت سے عاری اور خالی ہیں، جن کے پاس قرآن جیسی عظیم نعمت اور پیغمبر آخر الزماں جناب محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہو اور جن کی تربیت اخلاق نبویؐ اور سیرت رسولؐ کے دائرے میں ہوئی ہو وہ بوڑھے اور کمزور والدین کی خدمت کو سعادت اور حصول جنت کا ذریعہ سمجھیں گے۔ یاد رکھئے! اولڈ ہاؤس ایک ہاؤس ہے اس کو گھر کا تصور اور مقام نہیں دیا جا سکتا ہے، اولڈ ہاؤس میں رشتوں کے لطیف اور پاکیزہ تقاضوں کا کوئی تصور نہیں ہے، حقیقت میں گھر تو وہ ہے جہاں انسانی جذبہ مودت، محبت، سکون وراحت اور خاندان کے خونی رشتہ داروں سے مل کر جو الفت جاگتی ہے اولڈ ہاؤس میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

الغرض: عمر رسیدہ اور بوڑھے لوگوں کی قدر ومنزلت اور عزت واحترام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اللہ اس کو ایک نور عطا فرمائے گا جس کی وجہ سے وہ اور لوگوں میں ممتاز ہوگا، یہ ان کی بڑائی اور عظمت کی نشانی ہوگی، اللہ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا، دنیاوی معاشرہ میں بھی ان کی موجودگی قدر کی نشانی ہے، اور خیر وبرکت کا بہترین ذریعہ ہے، لہٰذا ان کے ادب واحترام سکون واطمینان اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے لئے عمومی تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔

اللہ کا فضل ہے کہ امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پروگرام چلایا جا رہا ہے تاکہ ہم سیرت النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں خاندانی حقوق کے ساتھ بوڑھے کمزور اور بے سہارا لوگوں کے حقوق کو جانیں اور اس کو عملی جامہ پہنائیں۔

بقیہ: اللہ کی باتیں، رسول اللہ کی باتیں.....

یہی وہ جذبہ محبت ہے، جس کی بناء پر عاشقوں کی زبان بھی اس طرح کھلتی ہے۔

جان چاہو جان لے لو، مال چاہو مال دوں گا
مگر یہ ہم سے نہ ہو سکے گا کہ نبی کا جاہ وجلال دوں گا

لیکن کسی سے محبت اس وقت سچی مانی جاتی ہے؛ جب اس کو محبوب کی ہر بات اچھی لگتی ہے اور محبت کرنے والا ایسا سرشار ہو کہ اسی کی چال ڈھال کو اپنا لے، بالکل اس کے رنگ میں رنگ جائے، اس لیے اگر آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کو نبی کریمؐ کے نمونے میں ڈھال لیجئے اور آپ کی ہر ایک ادا پر قربان جائیے، حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے الفاظ میں ''حضور کبھی جھوٹ کے قریب تک نہیں گئے، آپ بھی سچے ہو جائیے، بددیانتی کا سایہ تک ان پر نہ پڑنے پایا۔

آپ بھی امانت ودیانت کو اپنا شعار بنا لیجئے، سختی اور درشتی کا ان کے آس پاس بھی گذر نہیں ہوا تھا، آپ بھی نرم دل ونرم مزاج ہو جائیے، فرط حیاء سے ان کی نظریں نیچی رہا کرتی تھیں، آپ بھی پارسائی وپاکبازی کو اپنا آئین زندگی بنا لیجئے، تصنع وتکلف سے ان کا دامن حیات پاک تھا، آپ بھی اسی نقش قدم پر چلئے شفقت ورحمت ان کا قلب، انسانوں سے گذر کر حیوانوں تک پر پگھلتا رہتا تھا، آپ کم از کم انسان ہی کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کو لازم انسانیت کر لیجئے، انہیں سب سے زیادہ لطف اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت میں آتا تھا، آپ اس عبادت وخدمت میں کچھ تھوڑا ہی سا لطف لینے لگئے'' (سچی باتیں ص:۱۸۶)

جب زندگی میں یہ رنگ آجائے گا تو ایمان پختہ ہو جائے گا اور یہی ہر مسلمان کی شان ہے اور یہی اس کی پہچان ہے کہ وہ ہر جگہ ہر مسئلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے، اپنے ظاہر وباطن کو اسوۂ نبوی صلی اللہ علی وسلم کے سانچے میں ڈھال لے، اور اپنے اقوال وافعال اور گفتار وکردار کو سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا آئینہ دار بنالے کہ یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کی علامت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی

مولانا نیرالاسلام قاسمی، استاذ حدیث دارالعلوم الاسلامیہ امارت شرعیہ

گھریلو زندگی میں اخلاق وعمل کا ظہور، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے، جہاں آپؐ کی زندگی تمام انبیاء کرام اور مصلحین عالم سے ممتاز نظر آتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے تھے وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو کہتے تھے گھر کے خلوت کدے میں وہ اسی طرح نظر آتے تھے، اخلاق وعمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتے تھے، وہ خود اس کا عمل پیکر بن جاتے تھے، بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق وکردار اور گھریلو زندگی کا اور کون راز داں ہوسکتا ہے، چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان کیجئے، انہوں نے پوچھا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ ''کہ آپ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا''۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد پچیس برس تک آپؐ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغاز وحی میں آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھی: ''ہرگز نہیں خدا کی قسم، خدا آپ کو غمگین نہیں کرے گا، آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں'' (بخاری: باب کیف بدوالوحی الی رسول اللہ: ۳/۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے، آپ دو چیزوں میں آسان کو اختیار فرماتے تھے، آپ نے کبھی اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا، مگر یہ کہ احکام الٰہی کے خلاف ورزی کرے، آپ نے نام لے کر کبھی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، عورت کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپ نے کسی کی درخواست کو رد نہیں کیا، مگر یہ کہ وہ ناجائز ہو، آپ جب اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں جبیں اور مسکراتے ہوئے، باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے'' (بخاری ومسلم وابوداؤد بحوالہ سیرت النبی ۲/۵۱۵۔۵۱۶ ملخصا)

گھر کے کام کاج

اگرچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنھم آپ پر جاں نثار تھے، اس کے باوجود آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے، اور کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ'' کان یخدم نفسہ'' یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیتے تھے، ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے، جواب دیا کہ گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگاتے تھے، گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اس کو چارہ دیتے، غلاموں کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے (بخاری، کتاب الادب: ۸۹۲) شمائل ترمذی میں ہے کہ: ''**کان بشرا من البشر یغلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ**'' (ص: ۲۳) کہ آپ انسانوں میں کا ایک انسان تھے، اپنی بکری دوہتے تھے، اور اپنی خدمت خود کرتے تھے۔

دو صحابی بیان کرتے ہیں کہ: ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کررہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہوئے، جب کام ختم ہوگیا، تو آپ نے ہمارے لئے دعائے خیر فرمائی (مسند احمد بن حنبل بحوالہ سیرت النبی ۲/۵۴۶)

دوسروں کے کام آنے والے

حضرت خباب بن ارتؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ میں بھیجا، خباب کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا، اور عورتوں کو دودھ دوھنا نہیں آتا تھا، اس بنا پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دوہ دیا کرتے، (طبقات ابن سعد، ترجمہ بن خباب) سنن دارمی میں ہے کہ مدینہ کی لونڈیاں آپ کی خدمت میں آتیں اور کہتی یارسول اللہ! میرا یہ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کردیتے، یہ وہ مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کردینے میں آپ کو عار نہ تھا (دارمی باب فی تواضع رسول اللہ ۱/۴۰۔۴۱)

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہرات میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور طبیعت کی عورتیں تھیں، باہم رشک اور منافست بھی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمیشہ فقر وفاقہ سے زندگی بسر کرتے تھے، ان کے خورد ونوش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا، ان تمام حالات کے ساتھ آپ کی جبین پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

معمول تھا کہ آپ تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔ زرقانی میں حضرت ام سلمہ کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور بتداء حضرت ام سلمہ کے گھر سے ہوتی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی انہیں کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک رفاقت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہوجاتی تھیں، اس سے ظاہر ہے کہ گو ازواج میں کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا، لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت اٹھاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس ازواج مطہرات کی خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ شادی کے وقت بہت کم سن تھیں، اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ان کو بلا کر حضرت کے پاس بھیج دیا کرتے (سیرت النبی ۲/۵۹۸۔۵۶۰ ملخصا)

اولاد سے محبت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد سے بہت محبت تھی، معمول تھا کہ جب کبھی سفر فرماتے تھے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ ہوتیں، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے، آپ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم عوالی میں پرورش پاتے تھے، جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لئے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا، گھر میں جاتے، بچہ کو ان کے ہاتھ سے لیتے اور منھ چومتے، پھر مدینہ کو واپس آتے (مسلم: ۲/۲۵۴) حسنینؓ سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لاؤ، وہ صاحب زادوں کو لاتیں، آپ ان کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے۔ حضرت ابراہیمؓ کی وفات میں آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا تھا کہ'' آنکھیں آنسو بہارہی ہیں، دل غمزدہ ہے، لیکن منھ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے، لیکن یہ محبت صرف اپنی اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچوں سے آپ کو انس تھا۔ (سیرت النبی ۲/۵۷۹، ۵۶۱ ملخصا)

انتظام خانگی

گرچہ ازواج مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں نو تک پہونچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ نفس نفیس ان چیزوں سے سروکار نہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہوجاتا، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی کارخیر میں صرف نہ ہوجاتا، لیکن ازواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام حضورؐ کے متعلق تھا، ابوداؤد میں عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ میں حضرت بلال سے پوچھا کہ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا اور آغاز سے اخیر زمانہ تک میرے ہاتھ میں رہا، معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مجھ کو ارشاد ہوتا کہ جاکر کہیں سے قرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کردیتا (ابوداؤد: ۲/۴۳۳)

ازواج مطہرات کے لئے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کردیا گیا تھا، وہ فروخت کردیا جاتا، جو سال بھر کے مصارف کے لئے کافی ہوجاتا، خیبر فتح ہوا تو ازواج کے لئے فی کس اسی (۸۰) وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ مقرر ہوگئے، وسق ساٹھ صاع کا ہوتا تھا، حضرت عمر کے سامنے میں بعض ازواج نے جن میں حضرت عائشہؓ بھی تھیں پیداوار کے بدلے زمین لے لی (بخاری: ۲/۸۰۶ وجوب النفقۃ علی الاھل والعیال)

عبادت شبانہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہ سے زیادہ کوئی واقف نہ تھا، ان سے مروی ہے کہ جب سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں میں ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جو اب تک تھا نفل رہ گیا۔ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر چلے جاتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے، وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ دی جاتی، سو کر اٹھتے، پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں پڑھتے، ویسے رات میں آپ کے مختلف معمولات تھے، کثرت کے ساتھ نماز پڑھتے اور نماز میں تلاوت کرتے اور دعا فرماتے، لیکن جب جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے جن کے بعد دو رکعت اور ادا کرتے تھے، کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ (ابوداؤد: ۱/۱۹۰ باب صلاۃ اللیل) یہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو زندگی کے معمولات، اگر ہم بھی اسی طرح گھریلو زندگی کو گذاریں تو سنت کا ثواب ملے گا اور ترقی کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

☆اللّٰھم اجعلنا شاکرین لنعمتک مثنین بھا. (اے اللہ ہمیں اپنا شکر گذار اور اپنی نعمتوں کا ثنا خوان بندہ بنا دے)

☆اللّٰھم اجعلنی فی عینی صغیرًا. (اے اللہ مجھے میری نگاہ میں چھوٹا بنا کر رکھئے)

☆أعوذ بک من أن أظلِم أو أظلَم. (اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں ظلم کرنے اور ظلم کا شکار بننے سے)

☆اللّٰھم احینی مسلما وامتنی مسلما. (اے اللہ مجھے اسلام پر زندہ رکھئے اور اسلام پر ہی خاتمہ فرمایئے)

☆اللّٰھم رَحمَتَک أرجُو فَلا تکِلنی الی نفسی طرفۃ عینٍ واصلح لی شانی کُلّہ لا الہ الا أنت. (الٰہی میں آپ کی رحمت کا امیدوار ہوں چنانچہ مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کیجئے اور میری حالت بالکل درست کردیجئے، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں)

☆اللّٰھم اکفنی بحلالک عن حرامک و اغننی بفضلک عمّن سواک. (الٰہی میری حاجتیں میری حلال روزی سے پوری کردیجئے اور حرام سے بچایئے اور اپنے فضل سے اپنے علاوہ ہر ایک سے بے پروا کردیجئے)

☆اللّٰھم مغفرتک اوسع من ذنوبی و رحمتک ارجیٰ عندی من عملی. (اے اللہ میرے گناہوں سے آپ کی بخشش زیادہ ہے اور اپنے عمل کی نسبت مجھے آپ کی رحمت کی زیادہ امید ہے۔)

☆سبحٰن اللّٰہ و بحمدہ وسبحٰن اللّٰہ العظیم. (پاک ہے اللہ سمیت اس کی تعریف کے پاک ہے اللہ عظمت والا) (ان دو کلمات کے بارے میں اللہ کے نبی نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جن کا زبان سے کہنا آسان ہے لیکن میزان اعمال میں ان کا وزن بہت بھاری ہوگا۔)

بچوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

مولانا امام الدین قاسمی معاون قاضی مرکزی دارالقضاء

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اوپر دو طرح کے حقوق عائد کئے ہیں ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد ان دونوں حقوق میں حقوق العباد کو جو مقام اور اہمیت حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، ان حقوق میں والد کے حقوق اور اولاد کے حقوق بھی شامل ہیں کیونکہ مذہب اسلام میں جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح اولاد کے بھی کچھ حقوق ماں باپ پر ہیں اور یہ وہ عنوان ہے جس کا تذکرہ دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں ملتا اور اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے، مگر اولاد کا باپ پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ حقوق کے مسئلہ میں بڑوں اور بچوں کی تفریق ختم کردی، آپؐ نے جس طرح بچوں پر بڑوں کے حقوق مقرر کئے اسی طرح چھوٹوں کے بھی حقوق بڑوں پر قائم کئے، چنانچہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود بچوں کے سلسلہ میں جامع ہدایات دئے وہیں سن شعور کو پہنچنے والے بچوں کے سلسلہ میں انکی تعلیم وتربیت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، ذیل میں چند احادیث پیش کی جارہی ہیں جن سے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو مکمل طور پر واضح ہو۔

بچوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت : بچوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ انتہائی شفقت ومحبت کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کے ساتھ نرمی اور عاطفت کا درس نہ صرف اپنی تعلیمات ہی کے ذریعہ دیا بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا ثبوت پیش فرمایا، ترمذی شریف کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا ادب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۔ (ترمذی: باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان: ۲۰۴۳) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام ہی خیر سے محروم ہے (مسلم شریف، باب فضل الرفق: ۲۵۹۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر پر جاتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو جو بچے بڑوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رخصت کرنے کیلئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کیلئے مدینہ منوّرہ سے باہر تک جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر اپنے آگے اور پیچھے بچوں کو بٹھا لیتے، سیدنا عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لائے تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آگے بٹھالیا پھر حضرت حسن یا حسین آئے آپؐ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا، اس طرح ایک سواری پر ہم تین لوگ مدینہ میں داخل ہوئے (مسلم شریف، باب فضائل عبداللہ بن جعفر: ۲۴۲۸) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپؐ بڑے غمزدہ تھے، آپکی آنکھوں سے آنسوں رواں تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے استفسار کیا آپ بھی رورہے ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا اے ابن عوف یہ رحمت ہے بلاشبہ آنسوں بہہ رہے ہیں، دل غمزدہ ہے، لیکن اس حالت غم میں بھی ہم وہی بات کہیں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے غمزدہ ہیں، (بخاری شریف، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا بک لمحزونون: ۱۳۰۳) اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت انسؓ نے فرمایا: اہل وعیال پر آپؐ سے زیادہ مشفق میں نے کسی کو نہیں دیکھا (مسلم شریف، باب رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال: ۲۳۱۶) ایک دفعہ اقرع بن حابسؓ نے دیکھا کہ آپؐ حضرت حسن کو چوم رہے ہیں یہ دیکھ کر کہنے لگے حضور میرے دس بچے ہیں میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما، آپؐ نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا (بخاری شریف، باب رحمۃ الولد: ۵۹۹۷)۔

غور کیجئے! آپؐ نے نہ صرف یہ کہ اپنی اولاد سے خود محبت فرمائی بلکہ امت کو بھی اس کی تعلیم دی اور رحیمانہ سلوک کے ترک پر وعید سنائی کہ وہ شخص عنداللہ بھی قابل رحم نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ ہمارے اوپر لازم وضروری ہے۔

نو زائیدہ بچوں کے ساتھ سلوک :۔ چھوٹے بچے بڑے جاذب نظر اور فرشتہ صفت ہوتے ہیں، انہیں دیکھتے ہی جی چاہتا ہے کہ گود میں اٹھا کر پیار کیا جائے ان کی معیت میں انسان فطری خوشیاں پاتا ہے اور بڑا لطف اٹھاتا ہے لیکن وہ بچے جب پیشاب کردیتے ہیں تو مرد حضرات خصوصاً ناگواری کا اظہار کر کے بچے کو واپس ماں کی گود میں ڈال دیتے ہیں ایسی صورت حال میں رسول اکرمؐ نے کبھی اس قسم کا ناپسندیدہ رویہ پیش نہ فرمایا۔ آپؐ اکثر بچوں کو اپنے آغوش میں لیتے اور زانو پر بیٹھاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک لڑکا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تاکہ آپؐ اسے تحنیک دیدیں اسی دوران بچہ نے پیشاب کردیا، آپؐ نے پانی منگوایا اور اس سے وہ جگہ دھوڈالی (بخاری شریف، باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد: ۵۴۶۸۰)۔

بچوں اور بچیوں کے درمیان برابری :۔ بچوں پر رحم وشفقت کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی تفریق نہیں ہے، جو والدین لڑکوں کی بہ نسبت لڑکی سے امتیازی سلوک کرتے ہیں وہ جاہلیت کی پرانی برائی میں مبتلا ہیں اس طرح کی سوچ اور عمل کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ دینی اعتبار سے تو اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو، اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو (ابوداؤد شریف باب فی الرجل یفضل بعض ولدہ: ۳۵۴۴) ایک دوسری روایت بھی حضرت نعمان بن بشیرؓ سے ہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے اپنا ایک غلام عنایت کیا تو میری والدہ نے میرے والد سے کہا کہ مجھے تب تک خوشی نہ ہوگی جب تک کہ آپ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہیں بنالیتے، تو میرے والد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے پوچھا، کیا تم نے اپنے تمام بچوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے؟ میرے والد نے جواب دیا، نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا خوف کھاؤ اور اپنے بچوں کے درمیان عدل وانصاف کے رویہ کو اپناؤ ۔ (بخاری شریف، باب الاشھاد فی الھبۃ: ۲۵۸۷) اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب بچوں کو عطیات سے نوازا جائے یا ان کے نام وصیت کی جائے تو ہر حالت میں لازم ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف کی فضاء کو برقرار رکھنے کے لئے ان سب کے ساتھ مساویانہ اور غیر امتیازی سلوک کیا جائے۔

بچوں کو ہدیہ اور تحفہ دینا:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بچوں کی دلجوئی فرماتے بلکہ انکے ساتھ کھیلتے ان کو سلام کرنے میں پہل کرتے بلکہ بچوں کو تحفہ اور ہدیہ بھی عنایت فرماتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہلا پھل لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں، ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں برکت عطا فرما پھر آپؐ وہ پھل جو آپؐ کے پاس موجود ہوتا بچوں میں سب سے چھوٹے بچہ کو عطا فرمادیتے (مسلم شریف، باب فضل المدینۃ: ۱۳۷۳)۔

غیر مسلم بچوں کے ساتھ آپؐ کا طرز عمل :۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے جنہوں نے دنیا کے تمام بچوں کے ساتھ نرمی کی تلقین کی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک یہودی شخص کا لڑکا آپؐ کی خدمت میں تھا وہ ایک دفعہ بیمار ہوگیا، آپؐ نے اس کی عیادت فرمائی اس بچہ کے سرہانے بیٹھے پھر اس بچہ سے فرمایا: اسلام قبول کرو اس بچہ نے اپنے والد پر نظر ڈالی، والد نے بھی کہا: ابوالقاسم کی اطاعت کر، لہٰذا وہ بچہ مسلمان ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے نکلے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہے جس نے اس کو آگ سے بچا لیا۔ (بخاری شریف، باب اذا اسلم الصبی فمات: ۱۳۵۶) یہ حدیث آج کے انسانوں کو جھنجھوڑ رہی ہے کہ بچہ پر شفقت اور نرمی کی جائے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔

بچوں کی تربیت :۔ بچوں کی تعلیم وتربیت نہایت توجہ طلب کام ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اس کو اچھے آداب سکھائے (ترمذی، باب ماجاء فی ادب الولد: ۱۹۵۲) ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! والدین کے حقوق تو ہم نے جان لئے اولاد کے کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ یہ ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کی اچھی تربیت کرے اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے (سنن کبریٰ: ۱۹۷۴۲) اگر کسی کا نام کسی سبب سے مناسب نہ ہو تو اسے بدل دینا چاہئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تغییر الاسماء: ۲۸۳۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کا نام عاصیہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر جمیلہ رکھ دیا (مسلم شریف، باب استحباب تغییر الاسم القبیح: ۲۱۳۹) ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اسکی ذمہ داری کی باز پرس ہوگی (بخاری شریف، باب العبد راعٍ: ۲۴۰۹)۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ سے پرہیز :۔ بچوں کا ذہن صاف اور ستھرا ہوتا ہے اس لئے اس کے سامنے جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بھی پرہیز کرنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک خاتون نے اپنے بچے کو گود میں لینے کیلئے بلایا، بچہ آنے میں تردد کر رہا تھا اس خاتون نے کہا: آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے، آپؐ نے اس خاتون سے پوچھا، کیا تمہاری نیت واقعی کچھ دینے کی تھی؟ اس عورت نے جواب دیا: یا رسول اللہؐ! میرے پاس ایک کھجور تھی وہ اس کو دینے کی نیت تھی آپؐ نے فرمایا: اگر دینے کی نیت نہ ہوتی تو یہ تمہاری طرف سے جھوٹ ہوتا (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی الکذب: ۴۹۹۱)۔

ہماری ذمہ داری :۔ مذکورہ بالا احادیث وواقعات میں دنیا میں بسنے والے انسانوں کے لئے یہ پیغام ہے کہ بچوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کا معاملہ کیا جائے، انکے اخلاق وکردار کو سنوارا جائے، انکی تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام کیا جائے، لڑکی اور لڑکوں کے درمیان رہائش وزیبائش اور کھانے پینے میں برابری کی جائے، تاکہ ایک صالح معاشرہ اور سماج وجود میں آسکے دنیا میں امن وچین کی فضاء قائم ہوسکے اور ہمارا ملک ترقی کی منزل طے کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی ..... اور کچھ ہی عرصہ بعد ان کا چھینا ہوا وطن، بچھڑے ہوئے برادران وطن، عزیز واقارب، خاندان ورشتہ دار، اوران کی دھڑکنوں میں بسا، روحوں میں سمایا، سب سے پیارا کعبۃ اللہ بھی انھیں واپس مل گیا اس طرح انھیں اپنے مخالفین، اور سخت ترین دشمنوں سے انتقام وبدلہ لینے کا موقع ملا، مگر آپ نے اپنی انسانیت نوازی، اور عفو ودرگذر کی شان دکھا کر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ خدا کا پیر فرستادہ امن وسلامتی کا پیامبر ہے وہ انسانوں کو نہیں بلکہ ان کے اندر پائی جانے والی خرابیوں، برائیوں، خباثتوں، کو ختم کرنے آیا ہے، اسکا یہ دین ابدی دین ہے جسے مٹایا نہیں جاسکتا، اسے بیڑیوں میں جکڑا نہیں جاسکتا کیونکہ اسکے وجود پر کائنات کا وجود ہے، اللہ نے اسے ابدی دین بنا کر اپنے آخری نبی کے ذریعہ بھیجا ہے، وہ مٹنے نہیں باطل کی تاریکیاں مٹانے اور اپنی تعلیمات کے نور سے عالم کے وجود کو منور وتاباں کرنے آیا ہے، انسانیت کے لباس میں چھپی درندگی، عزت وعظمت کے خوشنما نام سے موسوم ذلت وپستی کو دور کرنے آیا ہے، لہٰذا وہ اپنی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو منہدم کرتے ہوئے اپنی افادیت کو عام کرنے فاران کی چوٹی سے اپنے پورے آب وتاب کے ساتھ ذوفشاں ہوا، جس کی روشنی نے پورے عالم کو اپنے نور سے ضیاء بار کردیا، کفر وظلمت کی دہشت ناکیاں کافور ہوگئیں، ظلم وجور کی گھٹا ٹوپ تاریکیاں چھٹ گئیں، مظلوموں کی عید ہوگئی، معاشرے کے درماندہ لاچار لوگوں کو عدل وانصاف ملا، الگ تھلگ کردیئے گئے انسانوں کو اخوت ومساوات، بھائی چارگی واپنائیت کی بہترین فضا میسر آئی، یتیموں بیواؤں کو انکا حق اور بلند مقام ملا، شفقت ومحبت سایہ فگن ہوئی، عدل وانصاف عام ہوا، کیا اونچا، کیا نیچا، کیا امیر، کیا غریب، کیا آقا، کیا غلام کیا خادم کیا مخدوم، سارے امتیازات مٹ گئے، تمام تفریقات زائل ہوگئیں، سب آپس میں بھائی وبہی خواہ، غمگسار وہمدرد، الفت ومحبت کا پیکر مجسم، ایثار ووفا کے پیکر ہوگئے، اس طرح مسلمان اپنے دین ومذہب، قومی شناخت، امن وسلامتی، حق خودداریت، انسانی وبنیادی حقوق کی حصولیابیوں کے ساتھ اپنے وطن عزیز واپس لوٹے، اور دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیکر دعوت غور وفکر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیروں کے ساتھ سلوک

مفتی امتیاز احمد قاسمی ،دار القضا امارت شرعیہ

محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترام انسانیت کا پیغام دیا، اس لئے عہد رسالت میں جہاں غیر مسلموں کے معاشی، تعلیمی اور سیاسی حقوق محفوظ تھے وہیں انہیں مذہبی آزادی بھی حاصل تھی، آپ نے عدل وانصاف، رواداری، انسان دوستی اور انسان نوازی کی بے نظیر مثالیں قائم کیں اور ظالموں کے ظلم کا بدلہ حلم وشرافت اور عفو ودرگذر سے دیا، اہل مکہ کے ظلم وستم کو آپ نے جس فراخدلی سے معاف فرما کر اعلی رواداری کا بہترین عملی مظاہرہ کیا اسے تاریخ بھی رشک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔

تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا دن تھا۔ فتح مکہ کے وقت حضور نے شہنشاہ اسلام کی حیثیت سے حرم الٰہی میں پہلا دربار عام منعقد فرمایا جس میں افواج اسلام کے علاوہ ہزاروں کفار ومشرکین خواص وعوام کا ایک بڑا اژدہام تھا، اقوام عالم سے خطاب کے بعد حضور نے اس مجمع پر نگاہ ڈالی تو قریش کے ان ظالموں کو بھی پایا؛ جنہوں نے آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے، آپ پر پتھروں کی بارش برسائی، قاتلانہ حملے کئے، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے دندان مبارک کو شہید کیا اور چہرہ انور کو لہولہان کیا، وہ اوباش بھی تھے جنہوں نے اپنی شرمناک گالیوں اور بہتان تراشیوں سے قلب اطہر کو زخمی کیا، وہ سفاک بھی تھے جنہوں نے حضور کے مبارک گلے میں پھندہ ڈال کر آپ کو اذیت پہونچائی اور آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کو نیزہ مار کر اونٹ سے گرادیا، آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ کے قاتل، ان کی ناک کان کاٹنے والے، ان کی آنکھیں پھوڑنے والے اور ان کا جگر چبانے والے بھی اس مجمع میں موجود تھے، حضور کے جانثار صحابہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے والے بھی مجرم بنے کانپ رہے تھے اور اپنے دلوں میں سوچ رہے تھے کہ آج انصار ومہاجرین کی غضب ناک فوجیں ہمارے بچوں کو خاک وخون میں ملا کر ہماری نسلوں کو نیست ونابود کر ڈالیں گی، ہماری بستیوں کو تہس نہس کر ڈالیں گی، انہیں زمین سے آسمان تک ناامیدی ومایوسی کے بادل نظر آرہے تھے، اس مایوسی اور ناامیدی کی خطرناک فضا میں حضور کی نگاہ رحمت ان کی طرف متوجہ ہوئی اور آپ نے ان مجرموں سے پوچھا بتاؤ آج میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں مجرمین حواس باختہ ہوکر لرزتے ہوئے یک زبان ہوکر بول اٹھے اخ کریم وبن اخ کریم آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو، یہ غیر متوقع اعلان رسالت سن کر مجرمین کی آنکھیں ندامت سے اشکبار ہوگئیں، شکرانہ کے آنسو آنکھوں سے بہنے لگے اور کفار کی زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعروں سے حرم کعبہ کے درودیوار گونجنے لگے۔ رحمت عالم کا یہ اعلان یہیں پہ ختم نہیں ہوا، بلکہ کفار نے مہاجرین کی جائدادوں، مکانوں اور دکانوں پر جو غاصبانہ قبضہ جمایا ہوا تھا اب وقت تھا کہ مہاجرین کی تمام جائدادوں، مکانوں اور دکانوں کو ان کے قبضے سے خالی کرا کر مہاجرین کے سپرد کیا جاتا لیکن شہنشاہ رسالت نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی کل جائدادیں مکہ والوں کو ہبہ کردیں۔ علامہ شبلی اس وقت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”آپؐ نے ان کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب سے پیش رو تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسولؐ اللہ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کے تیغ وسنا نے پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں کو لہولہان کردیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتے ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشی مہریں لگایا کرتے تھے۔ (سیرت النبی ۱/۳۱۰)

لیکن اس کے باوجود آپ نے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو معاف کردیا۔ اقوام عالم میں آج تک کوئی ایسا فاتح گذرا ہے جس نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کیا ہو؟ کیا زمین وآسمان کے درمیان کوئی ایسا تاجدار دیکھا ہے جو بدلے کی پوری طاقت رکھتے ہوئے اپنی عزیز ہستیوں کے قاتلوں کو معاف کردے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہے، کیونکہ فتح مکہ رحمت کا وہ بے مثال شاہکار ہے جس کا تصور بھی اس عالم میں محال ہے۔ غیروں کے ساتھ حسن سلوک کی بے شمار مثالیں سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں، چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

وہ وحشی، جو اسلام کے قوت بازو اور حضور ﷺ کے عزیز ترین چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، مکہ میں رہتا تھا جب مکہ میں اسلام کا غلبہ ہوا وہ بھاگ کر طائف آیا، آخر کار طائف بھی اس کے لئے جائے امن نہ رہا، ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ حضور نے اس کو معاف کردیا اور صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آئے گی۔ (صحیح بخاری، قتل حمزہ)

ہندہ، ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کئے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ حضور پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کرے، حضور نے اس کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ کیا، ہندہ اس سے متاثر ہوکر بے اختیار بول اٹھی یارسول اللہ آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔ (صحیح بخاری، ذکر ہند)

ابوسفیان، وہ ہیں کہ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں مسلمانوں کو لڑنی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباسؓ ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے حضرت عمرؓ نے گزشتہ جرائم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن وامان کا حرم بنادیا، فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کا قصور معاف ہوگا۔ کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

ثمامہ بن آثال، قبیلہ بنو حنیفہ کے رؤساء میں تھے، اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے، گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے، حضور نے حکم دیا کہ ان کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے، تیسرے دن آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کردو۔ ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب کے ایک درخت کی آڑ میں جاکر غسل کئے اور مسجد میں واپس آکر کلمہ پڑھے اور مسلمان ہوگئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں، کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔

ہبار بن الاسود، وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے حضور ﷺ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کو سخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت زینب حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کررہی تھیں کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرادیا۔ جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ اس کے علاوہ اور بھی جرائم کا وہ مرتکب تھا۔ وہ چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے آپ کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے۔ مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب مشرف بہ اسلام ہونے آیا ہوں، پھر وہ اسلام لائے۔

صفوان بن امیہ، قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے انہوں نے ہی عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر حضور کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائیں، عمیر بن وہب نے حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ، صفوان بن امیہ اپنے قبیلہ کے رئیس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے۔ پھر عرض کیا یارسول اللہ امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمائیں جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے، آپ نے اپنا عمامہ مبارک ان کو عطا فرمایا جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچے، صفوان حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ مجھے دو مہینے کی مہلت دیجئے ارشاد ہوا کہ دونہیں تم کو چار مہینہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے۔ (ابن ہشام میں پورا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے)

قریش کے ظالموں نے تین برس تک حضور کو اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور تڑپتے تھے اور یہ بے دردان کی آوازیں سن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال تھے مسلمان ہوکر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انہوں نے غصہ ہوکر کہا کہ خدا کی قسم اب حضور ﷺ کے حکم کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں ملے گا۔ اس بندش کی وجہ سے مکہ میں اناج کی کمی پڑ گئی آخر پریشان ہوکر قریش نے حضور کی طرف رجوع کیا حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو پھر حسب دستور غلہ جانے لگا، حضور ﷺ نے محض اس پابندی کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ پانچ سو اشرفیوں کی بڑی رقم ابوسفیان کے پاس بھیجی کہ مکہ کے قحط زدہ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کردیں۔ (صحیح بخاری)

حضور کی رواداری کی ایک بہترین مثال یہ ہے کہ آپ نے غیر مسلموں کے حق میں بارش کی دعاء فرمائی۔ مکہ میں اس قدر قحط پڑ گیا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے پر مجبور ہوگئے تھے، ابوسفیان حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد آپ صلہ رحمی کا حکم لے کر آئے ہیں، آپ کی قوم ہلاک ہورہی ہے۔ ان کے واسطے اپنے مولی سے دعا کریں، حضور نے دعاء کی اور مسلسل سات روز تک ابر رحمت ان پر اس قدر برسا کہ لوگوں نے بارش کی زیادتی کی تکلیف سے آپ کو آگاہ کیا، اس پر آپ نے یہ دعاء فرمائی۔ اے خدا ہمارے اردگرد برسا جہاں پانی کی ضرورت ہے اور ہم پر نہ برسا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازش وکرم اور بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ دلداری اور احسان کا ایک نمونہ وہ ہے جو منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی سلول کے معاملہ میں اختیار کیا، یہ وہ شخص تھا جس نے آپ کے خلاف کھلی دشمنی کی تھی، آپ کے خلاف خفیہ سازشوں میں شریک رہا، جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، واقعہ افک میں حضرت عائشہ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا، تمام مسلمان اس کے اس رویہ سے واقف تھے اس کے مرنے کے بعد جب قبر میں اتارا گیا تو اس کے صاحبزادے عبداللہ بن عبداللہ جو مکمل مومن حضور کے کامل وفادار اور محبت کرنے والے تھے۔ ان کی خواہش ہوئی کہ حضور ان کے باپ کے ساتھ کچھ توجہ دیں۔ تو ان کے مومن کامل ہونے کی قدر میں اور اکرام میں اس قدر رواداری فرمائی کہ حضور وہاں تشریف لے گئے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اپنا لعاب دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ غزوۂ خیبر میں یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہورہی ہے خیبر کے اندر ایک چرواہا اجرت پر یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرلیا اور کہا کہ آپ جو حکم دیں گے اس کو کروں گا حضور نے اس کو پہلا حکم یہ دیا کہ بکریاں تمہارے پاس امانت ہیں پہلے ان بکریوں کو واپس کرآؤ چرواہے نے کہ یارسول اللہ بکریاں ان یہودیوں کی ہیں جو آپ کے خون کے پیاسے ہیں حضور نے لوٹانے کا حکم دیا اور بکریاں لوٹائی گئیں۔

عکرمہ، ابوجہل کے بیٹے ہیں اور خود بھی اسلام کے سخت ترین دشمن، فتح مکہ کے بعد یمن بھاگ کر چلے گئے ان کی بیوی جو پہلے مسلمان ہوچکی تھیں کسی طرح انہیں مدینہ لائیں، جب ان کے آنے کی خبر حضور کو پہونچی تو آپ ان کے استقبال کے لیے اس طرح اٹھے کہ چادر مبارک شانہ سے ہٹ گئی اور فرمایا مرحباً بالراکب المھاجر اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک ہو (موطا امام مالک، مشکوۃ، کتاب الادب)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی

محمد نجیب اللہ خاں ندوی، دارالقضا امارت شرعیہ

رسول اکرم ﷺ اپنے سن شعور سے ہی اپنے بلند اخلاق، نفس کی پاکیزگی، امانت داری، صدق گوئی، بیباکی اور وفاشعاری سے معاشرے میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے تھے، تمام تر قبائلی دشمنی واختلافات کے باوجود ہر شخص آپ کے احترام وعظمت میں پلکیں بچھادیتا تھا، آپ کی نفاست وطہارت، پاکیزگی ومعصومیت کا رعب جمالی وجلالی ہر بڑے چھوٹے پر چھایا ہوا تھا، آپ کا دوسروں کے دردوغم میں شامل ہونا اور انسانیت نوازی اس معاشرے کیلئے شان امتیاز تھا، آپ امین وصادق کے لقب سے زبان زد خاص وعام تھے، چونکہ آپ نے سردار مکہ کے پوتے ہونے کے باوجود غربت و بے بسی کو بہت قریب سے دیکھا تھا، لہذا آپ ﷺ غریبوں، مظلوموں، غلاموں، کی دلجوئی کرتے ان کی باتوں کو سنتے، ان پر محبت وشفقت بھری نظر ڈالتے، ان کے درد کو سمجھتے، ان کی تکلیفوں اور آنسوؤں کو دیکھ کر بے قرار ہوجاتے، ان کے زخم پر مرحم رکھتے، کمزوروں پر روا رکھے جانیوالے ظلم وستم دیکھ کر کڑھتے، معاشرے کے دھتکارے ہوئے لوگوں میں جاکر انھیں گلے لگاتے، آپ کی اس اعلیٰ ظرفی وبلند اخلاقی نے آپ کو ہر دل عزیزی عطا کردی تھی، اہل مکہ اور خاص طور سے کمزور طبقہ آپ کا گرویدہ ہوگیا تھا، آپ کی محبت ان کے دلوں میں گھر کرگئی تھی،

جب آپ کو مبعوث کیا گیا اور جس معاشرے میں آپ کو بھیجا گیا وہ تین مختلف مذاہب پر مشتمل تھا، سب لوگ اپنی اپنی قومی علامتوں، تہذیبوں، نظام زندگی، اصول حیات، اور نقطہ نظر سے زندگی بسر کررہے تھے، چنانچہ نصاریٰ اپنی قومی شناخت وتہذیب کے ساتھ تھے، یہودی اپنے امتیازات کی شان ظاہر کررہے تھے، قریش اپنی قومی حشمت و وجاہت پر باقی تھے، یہ تینوں مذاہب اس چھوٹی سی وادی میں بستے تھے، یہود ونصاریٰ میں اندرونی طور پر کافی ٹکراؤ تھا، دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے، وہ ایک نجات دہندہ، نبی رحمت، نوید مسیحا، بشارت موسیٰ کے شدت سے منتظر تھے، دونوں یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نبی ہم میں سے ہوگا، جو ہمارے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرے گا، ہماری آرزوؤں کو برلائے گا، چنانچہ یہود یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نبی ہمارے قومی ادبار کو دور کریگا، شان وشوکت، حکومت وسلطنت کو دوبارہ بحال کرکے ملک شام جہاں سے انھیں بے دخل کردیا گیا تھا ان کی واپسی کو یقینی بنائے گا، ذلت ورسوائی کے غار سے نکال کر عزت ورفعت، عظمت وسطوت کو دوبارہ زندہ کرکے تخت وتاج عطا کرے گا، اس خیال خام پر نازاں وفرحاں تھے، اسی طرح نصاریٰ یہ سوچ کر شادمانی وامنگی سے پھولوں نہ سمارہے تھے کہ یہ نجات دہندہ یہودیوں سے ان کے ظلم کا بدلہ لے گا، اور اپنے انتقام کی بھٹی میں ڈال کر بھسم کردیگا، اور انھیں جلا بخشے گا، ان کے خودساختہ مسائل ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت، پوپ کے الٰہی اقتدار کا پرچم پورے عالم میں بلند کرے گا، قریش اس نجات دہندہ سے بالکل ناواقف تھے، لہذا ان کے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، البتہ وہ غیرتمندی میں بے مثال تھے اس کے نام پر مرمٹتے تھے جو غلط رخ اختیار کرگئی تھی، وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان کی بے راہ روی، غلط طرز حیات کے بارے میں کوئی بات کرے، ان کے تقدس وشخصیت پرستی کو زیر بحث لائے، ان کی باطلانہ عقیدت مندی پر لب کشائی کرے، مگر ہوا اس کے برعکس آپ بنی اسماعیل میں مبعوث کیے گئے، اور آپ نے اپنی دعوت میں انہی باتوں کا ذکر چھیڑا جن سے یہ بھاگنا اور اپنی تحریفات، دنیا طلبی خدا بیزاری کو چھپانا چاہ رہے تھے، چنانچہ جب آپ نے حضرت عیسیٰؑ کو راست باز، آپ کی تعلیمات کو سچا، آپ پر ایمان لانے کو اسلام کا ضروری ولازمی جز اور آپ کو برگزیدہ قرار دیا تو یہود آپ سے خفا ہوگئے، اسی طرح جب آپ نے نصاریٰ کے خودساختہ عقیدے ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت، اور پوپ کے الٰہی اقتدار کا رد کیا تو وہ بھی آپ کے درپے ہوگئے، آپ نے توحید خالص کی دعوت دی، کفروشرک کی قباحت وبرائی، شراب نوشی وزناکاری کی مذمت، قتل وخونریزی کو غلط، بیواؤں ویتیموں کے حق کی بات، کمزوروں، اچھوتوں کو برابری کا درجہ دیئے جانے کا نعرہ بلند کیا اور ایک خدا کی عبادت، اسی کو معبود حقیقی، مسجود برحق گرداننے کی بات کی تو وہ بھی آپ کے دشمن ہوگئے، حالانکہ آپ نے حق اور انصاف پر مبنی بات کی تھی جس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس پر غور کیا جاتا اور ٹھنڈے دل سے سنا جاتا مگر جیسا کہ دنیا والوں کا شیوہ ہے اس تلخ حقیقت کو وہ کیسے قبول کرتے؟ وہ آپ کی راہ میں مزاحم ہوئے، یہی اہل مکہ جو کل آپ کی تمام خوبیوں کے قدرداں تھے بے رخ ہوگئے، اور سخت وسست کہنا شروع کردیا، کیونکہ آپ نے ان کی دکھتی رگ پر انگشت رکھ دی تھی، جس کا سخت ردعمل آنا فطری تھا، مگر آپ بغیر پرواہ کئے پر اسرار طریقہ سے اپنی پاکیزہ دعوت اور خدا کے مقدس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے میں مصروف ہوگئے، آپ کی توجہ کا مرکز ابلاغ دین بن گیا، جس کے اثر سے معاشرے کا محروم ومظلوم طبقہ متاثر ہوا، اور تمام تر رکاوٹوں، بندشوں، اور ساری مجبوریوں کے باوجود اسلام کی حقانیت وسرمدیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی پناہ میں آنے لگا، دیکھتے دیکھتے ایک نفری تیار ہوگئی تو مکہ والوں سے یہ سہا نہ گیا، چنانچہ انھوں نے اس پر قابو پانے کیلئے تدبیریں شروع کردیں، وہ کسی مسلمان کو پکڑ لیتے ان پر ظلم وجور، جبر وتشدد کے پہاڑ توڑتے، انھیں گلی کوچوں، شاہراہوں، اور نکڑ پر گھماتے انھیں گھسیٹ کر عبرتناک سزائیں دیتے، انکے اس انسانیت سوز ہجومی تشدد کی وجہ سے مکہ میں ڈر اور خوف کا ماحول بن گیا، آپ ان تمام حالات کا صبر وتحمل، عزم وہمت، ثبات واستقلال سے سامنا کررہے تھے، ان کے سب وشتم کا جواب عفوودرگذر سے، بداخلاقی کا جواب اخلاق کریمانہ سے، بدزبانی کا جواب خوشگفتاری سے، برے سلوک کا جواب حسن خلق سے، کذب بیانی کا جواب صداقت سے، بے رخی کا جواب اپنائیت سے دے رہے تھے، شرپسندوں کا سامنا حلم وبردباری اور ثبات قدمی سے کررہے تھے، آپ کی اس جانفشانی وحوصلہ مندی کی وجہ سے ان پرخطر اور حوصلہ شکن حالات میں بھی کچھ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور آپ کی محبت والفت جاگزیں ہورہی تھی، صبر کا ثمرہ ظاہر ہورہا تھا، لوگ اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے کا حوصلہ پارہے تھے، اور آپ اپنی پاکیزہ تعلیمات سے ان کے دلوں کو منور وتاباں کررہے تھے، وہ لوگ جن کا رشتہ خالق سے کٹ چکا تھا ان کو ان کی اس خطرناک حالت سے آگاہ کرنے، انجام سے ڈرانے، اللہ کی عظمت وجلال، ربوبیت وکبریائی کو آشکارا کرنے، ان کے اعتقادواعمال اور اخلاق کو ظاہری وباطنی نجاستوں سے پاک کرنے کی تعلیم دینے، پاکیزگی وپاک دامنی سکھانے، انسانیت، تہذیب، اخلاق کی بلندترین معراج عطا کرنے، آدمیت کا پاٹھ پڑھانے، وحشی، درندہ صفت، بے رحم، ناشائستہ، آوارہ قوموں کے وحشیانہ اور ظالمانہ رویئے کو بدلنے، ان کے پتھر دل کو گداز کرنے، شائشتگی وسنجیدگی کا پیکر بنانے، ان کے جاہلانہ غرور پر عجز وانکساری کا رنگ چڑھانے، ان کے جسم کو نجاست سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی وفحش باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقاد سے پاک وصاف کرنے، انھیں مکر، فریب، دغا، ریا، نفاق، غیبت، چغلی جیسی مہلک بیماریوں سے نکالنے کی پاکیزہ کوشش کررہے تھے، آپ انہیں راہ منزل پر لاکھڑا کرکے فلاح وبہبود، کامیابی وکامرانی، اور امن وسلامتی کی منزل طے کرانے کی جستجو میں تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ آپ کی باتوں کو سنتے، اس کی قدردانی کرتے، اور اسے دل سے قبول کرتے، مگر انھوں نے ایسا نہ کیا، بلکہ اسے دبانے اور مٹانے کی مذموم کوشش کرنے لگے، آپ ان کی اس مخالفت کا جواب صرف اور صرف صبر سے دیتے، ان کی چالوں سے واقف اور تدبیروں سے آشنا رہتے ہوئے پل پل کے بدلتے حالات پر باریکی سے نظر رکھ کر حکمت ودانائی سے دعوت کو عام کرنے میں لگے رہتے، اہل ایمان کو سخت ترین اور بھیانک سزائیں دی جاتیں جس کی تاب نہ لاکر وہ زندگی کی جنگ ہار جاتے، انسانیت چیخیں مارتی، جس کی صداء دل سوز وادیٔ مکہ کے پہاڑوں سے ٹکرا کر گونجتی ہوئی دلوں کو پاش پاش کردیتی، روحوں کو جھنجھوڑ دیتی، ادھر اہل ایمان پر کی جانے والی سختیوں کی وجہ سے معاشرے کے منصف مزاج لوگوں کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہورہا تھا، حالانکہ یہ لوگ بھی اسی معاشرے کے تھے اور روایتی طور سے ناخواندہ بھی تھے، مگر عقل ودانش، فہم وفراست، حکمت ودانائی، پیش بینی ودوراندیشی، اور فرزانگی میں اپنی مثال آپ تھے، گرچہ ان میں بعض اخلاقی فقدان بھی پایا جاتا تھا، مگر بنی اسماعیل ہونے کی وجہ سے نبوی اخلاقیات کی رمق باقی تھی، جو ورثہ میں چلی آرہی تھی، اور موقع بموقع اس کا ظہور ہوتا رہتا تھا، آپ اسی رمق کو اجاگر کرنے کے لئے انھیں مہمیز کرتے، ان کو اپنی دعوت کا قائل کرتے، اور یہی وہ طبقہ تھا جو آپ پر ظلم کیخلاف آوازیں اٹھاتا رہتا تھا، پھر بعد میں اللہ نے انہیں بھی ایمان کی دولت سے نواز دیا، شقی القلب لوگوں کے پتھر دل پھٹے، اور ان سے ایمان ویقین، الفت ومحبت، ہمدردی وشفقت، ایثار وقربانی، درخشندگی وراستبازی کے چشمے پھوٹے، آپ کا عشق ان کے دلوں میں گھر کرگیا، اسلام ان کی زندگی کا نصب العین اور دعوت دین ان کا مشن بن گیا، پھر کیا تھا ان پر کی جانیوالی سختیاں بے معنی ہوگئیں، انھوں نے بے خوف وخطر سود وزیاں اپنے ایمان کا اعلان کیا، دشمنوں کی سختیوں سے آپ کی اور اسلام کی محبت کی ایمانی جڑیں ان کے دلوں میں مزید جڑ گرفتہ وپیوستہ ہوتی جارہی تھیں، اس طرح آپ صداقت ونیکی، صبر واستقلال، عفوودرگذر، عزم وہمت کی طاقت سے ظلم وجور، جہالت وگمرہی، ناانصافی وحق تلفی کو مغلوب کرتے جارہے تھے، جب اہل مکہ اپنی تمام تدبیریں ناکام ہوتے اور اسلام کو اپنی تنگ ذہنی وکم مائیگی کی فصیل ناپائیدار میں پابند سلاسل نہ کرپانے کی زد میں آئے تو انھوں نے آخری وحتمی فیصلہ کیا کہ آپ کو ہی راستہ سے ہٹادیا جائے، چنانچہ انھوں نے آپ کا گھیراؤ کرنا شروع کیا، اور مکہ میں نظربند کرکے، گزرگاہوں، پہاڑیوں، سمندری راستوں، دروں، اور سرحدی علاقوں پر سخت ناکہ بندی، اور ہائی الرٹ جاری کردی، ہر طرف خفیہ نگرانی، جاسوسوں کا جال، انٹلجنس کی عقابی نگاہیں تعینات کردی گئیں، تاکہ کوئی مسلمان اور خود آپ ﷺ مکہ سے ہجرت نہ کرجائیں، اور دنیا والوں پر آپ کی صداقت، اور بے گناہی ظاہر نہ ہوجائے، اس طرح یہ لوگ خدا کے اس برگزیدہ پیمبر اور اسکی دعوت کو مکہ ہی میں دفن کرکے فنا کے گھاٹ اتاردیں، حالانکہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی تعداد تیار ہوچکی تھی کہ جس کے ذریعہ ان کے اس ظالمانہ وستم کوشانہ اور جارحانہ منصوبہ کا مقابلہ ہتھیار اٹھا کر کیا جاسکتا تھا، عالمی قانون اور منطقی لحاظ سے یہ درست بھی تھا، مگر آپ نے صبر کیا، ہاتھ روکے رکھ کر، اپنی فراست اور حالات کی نزاکت کے لحاظ سے بہترین حکمت عملی کے ذریعہ ان کے مشن کو ناکام اور خود کی حفاظت کرتے ہوئے اپنی دھن میں تھے، مکہ کی زمین آپ پر تنگ ہوچکنے اور خود کو اس میں محبوس وگھرا ہوا محسوس کرنے کے باوجود پیچھے نہیں ہٹے، جب دشمنوں کی خودسری حد کو تجاوز کرگئی اور وہ اپنی ناپاک حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا، آپ تمام نگرانیوں، بندشوں، ناکہ بندیوں کے باجود اللہ کی مدد ونصرت سے اپنے پیارے وطن، عزیز واقارب، خاندان ورشتہ دار، برادران وطن، اور سب سے محبوب ترین چیز کعبۃ اللہ کو اپنی اشکبار آنکھوں سے الوداع کہتے ہوئے مکہ کی ساری برکتوں، رحمتوں، خدا کی عنایتوں کے ساتھ شکستہ دل مدینہ منورہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، مکہ والوں نے آپ اور آپ کی دعوت کی ناقدری کی تھی مگر مدینہ والوں نے آپ اور آپ کی دعوت کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اپنی آنکھوں میں سمایا، دلوں میں پناہ دی اور سب کچھ آپ پر قربان کرکے ایثار وقربانی کی ایسی تاریخ رقم کی کہ دنیا میں اسکی مثال نہیں ملتی، آپ کو اس طرح غریب الوطن کئے جانے کے اسباب پر اگر آج کوئی انصاف سے غور کرے تو سوچنے پر مجبور ہوجائے گا کہ آخر ان مظلوموں کی کیا غلطی تھی جس کی اتنی بڑی سزادی گئی، ان سے ان کا سب کچھ چھین لیا گیا، انھوں نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا تھا، نہ فساد برپا کیا تھا، بلکہ وہ تو صرف وہی بات کہہ رہے تھے جس میں نفع ہی نفع ہے، ان پر ظلم صرف اسی لئے کیا جا رہا تھا کہ دنیا کا یہ نجات دہندہ، بندوں کو خالق حقیقی مالک کل، معبود واحد سے جوڑ رہا تھا، اس کے پاکیزہ پیغام کو پہونچانے کی اپنی ذمہ داری ادا کررہا تھا، گم گشتہ راہوں کو راہیاب کرنے کی مقدس جدوجہد کررہا تھا، اس کے پیغام سرمدی کو اس کے مستحقین تک پہونچا رہا تھا، اور ان کی امانت انھیں سپرد کررہا تھا، انھیں شعلہ بار، آہن گداز جہنم سے بچارہا تھا، وہ انھیں اس دہکتی، بھڑکتی آگ ابلتی کھائی میں گرنے کے قریب دیکھ رہا تھا جس کی طرف دل کے یہ اندھے تیزی سے بڑھ رہے تھے، مگر ان کو اس ہلاکت خیز جہنم سے بچانے کا صلہ سب وشتم، سنگباری، معاشرتی بائیکاٹ، جلاوطنی کی شکل میں دیا گیا۔ کیا مکہ والے نافرمان نہیں تھے؟ کیا وہ اپنے انجام سے بے خبر نہیں تھے؟ کیا وہ اعمال واخلاق کی پستی میں گرے ہوئے نہیں تھے؟ بالکل تھے! مگر آپ نے انہیں اس گندگی سے نکال کر اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی عطا کی، بہرحال مدینہ ہجرت کرجانے کے بعد بھی آپ کی اور آپ کے جانثاروں کی حب الوطنی کا عالم یہ تھا کہ اسکی جدائی کی کسک محسوس ہوتی رہتی، اسکی یاد آنے پر آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوجاتیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ ایک شخص کو اس کے اپنے ہی وطن عزیز سے صرف اس لئے بے دخل، نکلنے پر مجبور، اسے اجنبی، اس پر زمین تنگ، اور جبری ملک بدری، اس سے اس کا حق وطنیت چھین کر جبر وتشدد، ظلم وناانصافی کی سیاہ تاریخ رقم کی جائے کہ وہ کہتا ہے کہ سب کا مالک ایک ہے، وہ تن تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے بھیجے ہوئے آئین وشریعت کو مان کر اس پر چلنے سے ہی کامیابی مل سکتی ہے، چنانچہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا، اور ان شکستہ حالوں کو مدینہ کی شکل میں ایک مضبوط ومستحکم، بہترین وپرامن ریاست تحفہ میں عطا کی گئی۔ (بقیہ صفحہ ۱۲؍پر)

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم مشاہیر کی نگاہ میں

سید محمد عادل فریدی

مذاہب عالم میں اسلام ہی وہ تنہا دین ہے، جس کو آفاقی مذہب کہا جا سکتا ہے، جس کے اندر زمانہ کی تمام تبدیلیوں اور تقاضوں کو اپنے اندر سما لینے اور اس کے مطابق پوری دنیا کے انسانوں کی راہنمائی کرنے کی صفت موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے ریگزاروں سے نکل کر جب یورپ اور امریکہ کے مہذب اور تعلیم یافتہ قوموں کے پاس یہ دین پہونچا تو ان کے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہیں تھا اور دنیا کی مہذب ترین اور عقلمند ترین قوموں کو بھی اسلام کی حقانیت، معقولیت اور آفاقیت کا قائل ہونا پڑا، چنانچہ بے شمار غیر مسلم اور مغربی دانشمندوں، سیاست دانوں اور مفکروں نے اپنی زبان سے بارہا اس کا اقرار اور اعتراف کیا۔ مغربی معاشرہ کے پروردہ نامور دانشوران اور اسکالرز اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین وتذلیل کرنے کی بے شمار کوششوں کے باوجود محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کی تعریف وتوصیف پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ ذیل میں چند غیر مسلم اسکالرز، سیاست دانوں، دانشوروں اور اہم شخصیات کے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی شان میں کہے گئے اقوال اور ان کے اعتراف حق کی مختصر جھلک پیش کی جارہی ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ دوست اور ہمنواؤں کو تو چھوڑ دیجئے دشمنوں اور کٹر مخالفوں کے ذہنوں کو کس حد تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے متاثر کیا ہے۔

☆ مشہور مغربی مصنف مائیکل ہارٹ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف The Hundred میں جب دنیا کے سو عظیم ترین انسانوں کی فہرست مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور ایسے لوگوں کے ناموں کو ڈھونڈھا جنہوں نے دنیا کی تشکیل میں بڑا کردار ادا کیا ہے تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب میں سب سے پہلے نمبر پر رکھا۔ یہ مصنف ایک عیسائی ہو کر بھی اپنے دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی پوری نسل انسانی میں سید البشر کہے جانے کے لائق ہیں۔ انہوں نے کتاب میں لکھا ہے کہ ''پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب میں دنیا کے عظیم ترین لوگوں کی فہرست میں پہلا مقام دینے پر بعض قارئین کو تعجب ہوگا اور بعض لوگ مجھ سے سوال کر سکتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا کی تاریخ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وہ واحد ذات ہے جو مذہبی اعتبار سے بھی اور سیکولر نظریہ سے بھی اس قدر کامیاب ثابت ہوئی۔''

☆ مشہور فرانسیسی شہنشہا اور مغرب میں فاتح اعظم کے نام سے مشہور نپولین بوناپارٹ کہتا ہے: میری خواہش ہے کہ میں بھی تعلیم یافتہ اور عقل مند لوگوں کی ایک فوج بناؤں اور قرآن کی تعلیمات کی بنیاد پر اس کی قیادت کروں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ ایک قلیل عرصہ میں اتنی کثیر تعداد میں لوگوں نے بت پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش کو اختیار کر لیا۔

☆ ہندوستان کی سیاست میں بابائے قوم کے نام سے مشہور مہاتما گاندھی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور آپ کی تعلیمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''میں بہت مضبوطی کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا ہے اور کوئی بھی نظریہ تلوار کے زور پر اس طرح لوگوں کے دلوں میں گھر نہیں کر سکتا ہے، بلکہ یہ تو پیغمبر اسلام کی غیر معمولی سادگی، اخلاق کریمانہ، بے نفسی، اعتماد ویقین، اپنے صحابہ اور دوستوں کے ساتھ بے لوث محبت وشفقت، دین کے سلسلہ میں بے خوفی اور حق بات کہنے کی جرأت، اللہ پر کامل یقین اور اپنے مشن کے تئیں ان کی خود سپردگی تھی جس نے اسلام کو ان کے دلوں میں راسخ کر دیا۔''

☆ فرانسیسی مورخ لیمر تین اپنی کتاب History de la Turquie میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ معمولی ساز وسامان کے ساتھ اگر عظیم مقاصد کی تکمیل کے سلسلہ میں دنیا کے عظیم ترین انسانوں کا تقابل کیا جائے تو کوئی بھی عظیم تر ہستی پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی ہے۔ مشہور زمانہ شخصیات نے فوجیں، قانون اور حکومتیں قائم کیں، اور انہوں نے یہ چیزیں مادی طاقتوں اور وسائل کی مدد سے اکٹھا کیں، مگر پیغمبر اسلام نے صرف قانون، حکومت اور فوج ہی کھڑی نہیں کی، بلکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو، نہ صرف اس وقت دنیا کی ایک تہائی آبادی کو، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعداد کو کفر وضلالت، اور جہالت سے نکال کر خدا کی عبادت، تہذیب وشائستگی اور علم وکمال کے نور سے منور کر دیا، آپ نے ان کے قلوب اور روح کو مسخر کر لیا اور انہیں ایک نظریہ کا تابعدار بنا دیا۔ فلسفی، مبلغ، پیغمبر، قانون ساز، سپاہ سالار، ذہنوں کو مسخر کرنے والا دانائی اور حکمت کے عقائد پھیلانے والا، بت پرستی سے پاک معاشرہ تشکیل دینے والا، سیکڑوں ریاستوں کو ایک روحانی حکومت میں متحد کرنے والا اگر کوئی ہے تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

☆ بوسورتھ اسمتھ اپنی کتاب Mohammed and Mohammadanism میں لکھتے ہیں کہ قیصر روم اور پوپ نے بھی لوگوں پر اقتدار قائم کیا، لیکن ان کا اقتدار مادی وسائل اور طاقت کے بل بوتے پر تھا، بغیر مادی وسائل اور فوجی طاقت کے قیصر اور پوپ کا اقتدار ممکن ہی نہیں تھا، لیکن اگر کوئی شخصیت ہے، جس نے مادی وسائل اور فوجی طاقت کے بغیر لوگوں کو مسخر کیا اور خدائی قانون کو قائم کیا تو وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، جنہوں نے کسی مادی وسائل اور کسی خارجی مدد کے بغیر انسانوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

☆ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں اینی بیسنٹ کا نام بہت ہی عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے، انہوں نے اپنی کتاب The Life and Techings of Muhammad میں لکھا ہے کہ کسی ایسے شخص کے لیے ممکن ہی نہیں ہے، جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہو کہ وہ آپ کی ذات اور آپ کی تعلیمات سے متاثر نہ ہو۔ آپ خدا کے عظیم ترین پیغامبر تھے۔ میں جب بھی اس معلم عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کا مطالعہ کرتی ہوں تو میں اپنے اندر نئی توانائی اور سکون محسوس کرتی ہوں، اور ہر مرتبہ مجھے آپؐ کے تئیں ایک نئی طرح کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

☆ تھامس کارلائل اپنی کتاب Heros and Heros worship میں لکھتے ہیں کہ ''میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان کی طبیعت میں نام ونمود اور ریاکاری کا شائبہ تک نہ تھا ہم انہیں صفات کے بدلے میں آپ کی خدمت میں ہدیہ اخلاص پیش کرتے ہیں۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح ایک اکیلے انسان نے غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ قبائل کو ایک بے حد مضبوط، تعلیم یافتہ اور مہذب قوم میں تبدیل کر دیا اور وہ بھی صرف دو دہائیوں کے اندر''

☆ ہندوستان کی تاریخ آزادی میں بلبل ہندوستان کے نام سے مشہور سروجنی نائیڈو اپنی کتاب Ideas of Islam, Speaches and writings میں لکھتی ہیں کہ ''اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے جمہوریت کی عملی تعلیم دی ہے، اسلام نے جمہوریت کی عملی تعلیم اس طرح دی ہے کہ جب مسجد سے نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے اور اللہ کی عبادت کے لیے بلایا جاتا ہے تو امیر غریب، راجہ اور رنک سب ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور خدائے بزرگ وبرتر کی یکتائی اور کبریائی کے آگے روزانہ دن میں پانچ وقت سربسجود ہو جاتے ہیں''

مشہور زمانہ ادیب اور ڈرامہ نگار جارج برنارڈ شا اپنی کتاب The genuine Islam میں لکھتے ہیں کہ ''مجھے کامل یقین ہے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ دنیا کے حکمراں بن جائیں تو وہ موجودہ انسانی مصائب سے انسانیت کو نجات دلانے میں اور انسانی مسائل کا حل کر کے امن وسکون کی حکمرانی قائم کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ یقینی طور پر آپ انسانیت کے نجات دہندہ کہلانے کے مستحق ہیں۔ میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ آپ کا دین اور آپ کی تعلیمات کو آنے والے دنوں میں یورپ میں قبول کیا جائے گا اور یورپ میں آپ کے دین اور تعلیمات کو قبول کرنے کا آغاز ہو چکا ہے۔''

☆ اسٹینلی لین پول اپنی کتاب Table Talk of the prophet میں لکھتے ہیں کہ ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماننے والوں کے بہترین محافظ تھے، آپ نرم گفتار اور شیریں زبان تھے، آپ کی باتیں دلوں میں اثر انداز ہوتی تھیں اور انسان ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ جو شخص بھی آپ کو دیکھتا تو آپ کے تئیں عظمت و توقیر کے جذبات سے بھر اٹھتا تھا، جو آپ کے قریب جاتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور آپ سے محبت کرنے لگتا۔ آپ کو دیکھنے والا آپ کے بارے میں کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسی شخصیت کہیں نہیں دیکھی، آپ اتنے عظیم منصب پر فائز تھے، اس کے باوجود جب آپ گفتگو کرتے تو نہایت سادگی اور نرمی سے کرتے لیکن آپ کی باتوں میں یقین واعتماد کی پختگی اور مضبوطی ہوتی تھی، اور کوئی شخص آپ کی بات کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔''

☆ جیمس اے مائکنر نے اپنی تصنیف Islam: The Misunderstood Religion, in reader's digest میں اس طرح رقمطراز ہیں: ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے اسلام کی بنیاد ڈالی تقریبا 570 عیسوی میں عرب کے ایک ایسے قبیلہ میں پیدا ہوئے جو بتوں کی پرستش کرتے تھے، آپ یتیم ہی پیدا ہوئے تھے، آپ ہمیشہ غریبوں، ناداروں، یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں، غلاموں اور سماج کے پسماندہ لوگوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیس سال کی عمر میں آپ ایک کامیاب تاجر بن چکے تھے، اور اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ ایک مالدار عورت کے اونٹوں کے قافلے کے سردار بنا دیے گئے، جب آپ پچیس سال کے ہوئے تو آپ کے امپلائر (جن کے ماتحت آپ تجارت کرتے تھے) نے آپ کی صلاحیت کو پہچانا اور آپ کو شادی کا پیغام دیا جبکہ وہ آپ سے ۱۵ سال بڑی تھیں آپ نے ان سے شادی کی اور جب تک وہ حیات رہیں، آپ نے ایک وفادار شوہر کا فرض ادا کیا۔ تمام عظیم تر پیغمبروں کی طرح آپ کے پاس بھی اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام وحی کی صورت میں لے کر آیا اور اس نے آپ سے پڑھنے کے لیے کہا، اگر چہ آپ پڑھے لکھے نہیں تھے، لیکن آپ نے اس خدائی کلام کی اثر انگیزی سے مغلوب ہو کر پڑھنا شروع کیا اور خدائے واحد کی یکتائی اور وحدانیت کا پہلا سبق پڑھا۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ آپ کی پوری زندگی عملی اور پریکٹیکل ہے، آپ کی شخصیت دیو مالائی اور افسانوی نہیں ہے۔ جب آپ کے بیٹے ابراہیم کا انتقال ہوا اس وقت سورج میں گرہن لگا، لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ کے محبوب بیٹے کے غم میں سورج کو گرہن لگ گیا ہے، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنے صحابہ کے درمیان اعلان کیا کہ چاند اور سورج میں گرہن لگنا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اس کا تعلق کسی کے مرنے یا جینے سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق کسی کی پیدائش یا موت سے ثابت کرنا احمقانہ طرز عمل ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ کے انتقال کے وقت ایک ہنگامہ برپا ہوا اور کچھ لوگوں نے آپ کے انتقال کے تعلق سے طرح طرح کی باتیں بنانی شرع کیں تو اسی وقت آپ کے خلیفہ اور صحابی نے لوگوں کے اس تذبذب کو ختم کیا اور اسلام کی مذہبی تاریخ کا عظیم تر خطاب کیا کہ اگر کوئی شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمدؐ کا انتقال ہو چکا ہے، لیکن اگر تم خدائے واحد کی عبادت کرتے ہو تو جان لو کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے زندہ رہنے والا ہے۔

☆ ڈاکٹر شیلے کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گذشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے اور آئندہ ان کی مثال پیدا ہونا محال اور قطعا غیر ممکن ہے۔

☆ ہربرٹ جارج ویلز اپنی کتاب Muhammad and Islam میں لکھتے ہیں کہ اسلام تنہا ایسا دین ہے، جس کے قبول کرنے پر دنیا کے تمام شریف لوگ فخر کر سکتے ہیں، یہ تنہا ایسا دین ہے، جسے میں نے سمجھا ہے اور میں مکرر اس بات کو کہتا ہوں کہ وہ دین جو خلقت وآفرینش کے رموز واسرار سے آگاہ ہے اور تمام مراحل میں تمدن و ثقافت کے ہمراہ ہے، وہ فقط اسلام ہے۔

بقیہ: دربارنبوی کی خوشگوار یادیں

جہاں ایسے سجدے سکھائے گئے، جو جبین ناز کی تابندگی کو زندگی کا سبق سکھاتی ہے، جہاں ایسا جھکنا سکھایا گیا جس میں بلندیاں، عظمتیں اور سرفرازیاں تھیں، اس مرکز ایمان ویقین میں انسانوں کا سیلاب رمضان میں آجاتا ہے۔ رنگ وروپ الگ، طور طریقہ جدا، لباس وزبان علیحدہ علیحدہ، قدوقامت میں بھی فاصلہ مگر طاعت کا ذوق اور عبادت کا شوق ہر دل میں موجزن اور ہر شخص پر ایک کیفیت سی طاری——اس مسجد میں عبادت کا مزہ ہی کچھ اور ہے، رمضان کے آخری عشرہ کی ہماہمی کچھ ایسی ہوتی ہے کہ ''ہر شب شب برات ہے ہر روز عید ہے'' کا نظارہ ہوتا ہے۔ عبادت وتلاوت تسبیح ووظیفہ تو ہے ہی، درود وسلام اس مسجد کی بڑی خاص چیز ہے، اس موقع پر اللہ کے بندوں اور اللہ کے محبوب کے نام لیواؤں کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ بیان سے باہر ہے، بس اللہ کی شان کریمی وغفاری سے یہی امید جینے کا سہارا اور مرنے کا حوصلہ دیتی ہے کہ آنکھوں کے قطروں کو موتیوں کا درجہ ملے گا اور جہاں ان قطروں کی قدردانی کی جگہ ہے وہاں ہلکی ہلکی سی آواز آرہی ہوگی۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے☆☆☆قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

مسجد نبوی میں بڑی خاص چیز ریاض الجنۃ ہے، جنت کے باغوں میں ایک باغ۔ یہ پہلی مسجد نبوی ؐ کا حصہ ہے، جنت کی ان کیاریوں میں کون نماز نہیں پڑھنا چاہے گا، چند سجدے ہی سہی، تھوڑی سی عبادت ہی سہی، ہر حاضر ہونے والا جنت کی اس کیاری میں سجدوں کی مہر اور قدموں کے نشان ضرور چھوڑتا ہے، اس کے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے، ہاں! یہاں اسی جگہ میرے ''آقا ومولیٰ'' نے رب کائنات کے سامنے سر جھکایا تھا، یہیں آپ کی مبارک پیشانی نے زمین کو چھوکر خدا کی عظمت وکبریائی اور توحید وربوبیت کی تعلیم دی تھی اور بندہ مومن رسول پاک کے دیئے درس کے مطابق اپنی بلند پیشانی کو زمین پر ڈال دیتا ہے تاکہ اسے اور قربتیں، اور بلندیاں ملیں، اور اسکی دعائیں عرش رسید بن جائیں۔ رسول پاک نے بتایا تھا کہ بندہ سجدہ میں خدا سے سب سے زیادہ قرب ہوتا ہے، قرب خداوندی بندہ کی معراج ہے، بلندیوں کی انتہا، سرفرازیوں کی آخری منزل، انسانی عظمت کی سرحد—— جنت کی اس کیاری میں قدم رکھنے والا ٹھٹھک جاتا ہے، یہیں پڑے ہوں گے میرے آقا کے قدم، ان کے صحابہ کے قدم، وہ جھجھکتا بھی ہے کہ کیسے رکھے یہ گنہگار قدم ان نقوش پر، جنہیں زمین نے شہنشاہ کونین کا نشان قدم سمجھ کر اپنے سینہ میں محفوظ کر رکھا ہے۔ مگر اسے حوصلہ ملتا ہے اس تعلیم سے کہ رسول کے نقش قدم پر چلو، وہ بے تابانہ قدم جماتا ہے، نماز پڑھتا ہے۔ جنت کی کیاری قیامت کے دن گواہی دے گی، اس بندۂ خدا نے جنت کی کیاری میں دو رکعت نماز پڑھی تھی، بار الٰہا! تو بڑا رحیم وکریم ہے، تو نے ایک بار اسے جنت کی کیاری میں نماز پڑھنے کا موقعہ دیا تھا، تیری شان رحیمی چاہتی ہے کہ یہ برابر جنت میں رہے——اللہ کے بندے جنت کی کیاری میں ہر وقت عبادت کرتے نظر آتے ہیں، ان کا ذوق وشوق دیکھنے والا ہوتا ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں یہاں جگہ کا ملنا اور بھی مشکل ہے، مگر وقت کی کمی اور جگہ کی قلت حاضرین کے صبر کے پیمانہ کو چھلکنے نہیں دیتی، خود بخود نظم وضبط قائم رہتا ہے، احترام وعقیدت کی چادر ہر سر پر تنی رہتی ہے۔ دل کو چھو لینے والا منظر افطار کا ہوتا ہے—— لباس، رنگ، زبان، انداز، عمر اور طور طریقہ کے فرق سے بے نیاز مسجد نبوی کے ایک متعین حلقہ میں خواتین فائبر کے دیوار نما حصہ میں، اور دوسرے حلقہ میں مرد حضرات افطار کرتے ہیں۔ سعودی حکومت نے حرمین شریفین کی مستقل حکومت قائم کر رکھی ہے جس کے بہت سارے شعبے ہیں۔ امامت وتلاوت کے اہتمام سے لے کر وعظ وتبلیغ تک اور آب زمزم سے لے کر صفائی اور بیت الخلاء تک کا نظم یہ چھوٹی سی حکومت کرتی ہے، اس کی اپنی پولیس بھی ہے، ہزاروں اللہ کے بندے اس حکومت میں ملازمت کرتے ہیں اور دنیا کے ساتھ آخرت کا حساب بھی ٹھیک کر لیتے ہیں——یہ چھوٹی سی حکومت (الرياسة العامة للحرمين الشريفين) بڑے بڑے صاف ستھرے ڈراموں میں روزانہ مکہ مکرمہ سے زمزم کا پانی منگواتی ہے اور مسجد نبوی میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سلیقہ کے ساتھ اسے رکھ دیا جاتا ہے، افطار کرنے والے عصر کے بعد سے ہی آنے لگتے ہیں، تلاوت وتسبیح میں لگ جاتے ہیں، کہیں مجلس وعظ بھی ہوتی ہے، مسئلہ مسائل پوچھنے اور بتانے والوں کی بھی مجلس ہوتی ہے، سورج غروب ہونے لگتا ہے، خضوع وخشوع، تلاوت وانابت، اور دعاؤں کے عروج کا وقت آتا جاتا ہے، کشاں کشاں اللہ کے بندے مسجد نبوی آنے لگتے ہیں، ہر گلی سے ہر راہ سے، فوج کی فوج چلتی نظر آتی ہے۔

کتنا فرق آگیا ہے چودہ سو سال میں، آج جو ایک گلی سے نکلنے والوں کی تعداد ہے، وہ اس وقت کے پورے مدینہ کی آبادی اور آنیوالوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے، سنہ ۲/ہجری میں آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سو تیرہ ملے تھے، جنہیں بدر کے میدان میں ایمان وکفر کے درمیان آہنی دیوار کھینچنے کیلئے کھڑا کیا گیا تھا، کتنی معمولی تھی وہ تعداد، کیسے آہنی عزم اور پختہ ایمان والے تھے وہ سب، وہ چلتے تھے تو قسمت یاوری کرتی تھی، آج کروڑوں ہیں مگر منظم ملت نہیں، بے تکان بھیڑ ہے، تعداد میں زیادہ مگر قدم بڑھاتے ہوئے بھی منزل سے اجنبی، ایمان ویقین ہلتا ہوا، عزم کمزور اور جب ایمان وعزم ڈھیلا پڑتا ہے تقدیر بھی روٹھ جاتی ہے——ہاں! مگر کل بھی مدینہ میں سورج غروب ہوتا تھا اور آج بھی ڈوب رہا تھا، رسول اللہ کے نام لیوا دربار رسول میں اکٹھے ہو رہے تھے، اذان ہوتے ہوتے مسجد نبوی کا تقریباً پورا حصہ بھر جاتا ہے، کسی کے ہاتھ میں کھجور کا ڈبہ، کافی قہوہ، چائے، شربت سے بھرے تھرماس، سموسے، بسکٹ، مٹھائی، دروازہ پر اگر دربان نے روک لیا تو رہئے باہر، یا سامان چھوڑ کر اندر جائیے۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں پکی ہوئی چیزوں کا لانا منع ہے، صفائی اور احتیاط کے لحاظ سے ایسا کرنا مناسب ہے، مگر قانون کی یہ بندش روزہ داروں کو کھلانے کے جذبہ کے سامنے اکثر ٹوٹ جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے، لوگ بڑی حکمتوں سے سموسے اور کھانے کی چیزیں لے جاتے ہیں۔ قانون شکنی کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا، ضیوف الرحمان (رحمان ورحیم کے مہمانوں) کو افطار کرانا مقصود ہوتا ہے، پلاسٹک کی پنی کے باریک لانبے دسترخوان لوگ بچھا دیتے ہیں، پلاسٹک کے چھوٹے گلاس رکھ دیئے جاتے ہیں اور قسم قسم کی کھجوریں آٹھ دس ریال کیلو سے لیکر سوسوا سو ریال تک کی پھیلا دی جاتی ہیں، ضیافت کا جذبہ رکھنے والے اس میں بڑے انہماک اور خلوص کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اللہ کے بہت سے بندے جیب میں دو چار کھجور کی پلاسٹک کی ڈبیہ لئے کبھی گنبد خضراء پر نگاہ جماتے ہیں، کبھی روضہ مطہرہ کی دیواروں کا دیدار کرتے ہیں، ذرا ان کی آنکھوں میں جھانکئے، کیسی امید نظر آتی ہے ان دو آنکھوں میں، کسی کے گوشہ چشم پر دو موتی چھلکنے کیلئے مچلتے نظر آتے ہیں، کہیں کوئی تارہ آنکھ سے ٹوٹ کر چہرہ پر پھسل جاتا ہے، خوشی کے آنسو، ندامت کے آنسو، آرزوؤں کے آنسو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لیجئے آفتاب غروب ہوا، مومنوں کی قسمت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا، یہ وقت دعا کے قبول ہونے کا ہے، خدا سے بندہ کے قرب کا ہے، جس کی قسمت نے یاوری کی، اس کی ہر بات قبولیت کے خانہ میں رکھ دی جاتی ہے، اذان اور اقامت کے درمیان چند منٹ کے فاصلے میں ایک بساط سمٹتی ہے دوسری بساط بچھا دی جاتی ہے، کیسے کیسوں اور کتنے کتنوں کا وارا نیارا ہو جاتا ہے، کوئی انسان حساب لگا سکتا ہے؟ دیکھتے دیکھتے دسترخوان سمٹ جاتا ہے اور نماز کی صفیں لگ جاتی ہیں، نور وہدایت، رحمت وبرکت وخشوع وخضوع، اللہ اکبر! گورے کالے، امیر غریب، حاکم محکوم، بڑے چھوٹے ساری شناخت مٹ جاتی ہے اور صرف ایک شناخت رہ جاتی ہے عیال اللہ، عباد اللہ۔

تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

میرا بھی عجیب ذوق ہے، خیال آیا سنتیں تو پڑھ لیں، چار چھ رکعت ریاض الجنۃ میں بھی پڑھی جائے، قدم شوق ایسے موقعوں پر کہاں رکتے ہیں، بڑھتا چلا گیا، قسمت نے یاوری کی، ریاض الجنۃ میں جگہ مل گئی، دائیں بائیں دیکھنے کا یارا کسے، جھٹ نیت باندھ لی۔ خود فراموشی بھی بڑی دولت ہے، اپنے آپ کو بھول کر بہت کچھ پایا جا سکتا ہے، چند رکعتیں پڑھیں، بڑی محبت سے کسی نے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو خیال آیا کہ دیر زیادہ ہوگئی، دوسروں کا بھی حق ہے، اٹھا اور مستی کے عالم میں دروازہ کی طرف بڑھ گیا، ابھی دروازہ کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک سپاہی کا بایاں ہاتھ میرا راستہ روک رہا تھا، میں آگے بڑھ گیا تھا، میری عقل میرے پیچھے مجھے کہیں تلاش کر رہی تھی، سمجھ میں نہ آیا کہ سپاہی نے کیوں روک دیا، جھنجھلاہٹ میں زبان سے نکلا ''ایش ھذا'' (یہ کیا حرکت ہے) سپاہی کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ پڑا اور دوسرے ہاتھ والے کی زبان سے نکلا ''صل علی محمد'' تنے ہاتھ نیچے گر گئے، میری نگاہ اس شخص پر پڑی، ہلکی مسکراہٹ، معصومانہ وقار، یہ شاہی خاندان کا کوئی شریف فرد تھا——میں آگے بڑھ گیا، شہنشاہ کونین ؐ کے دربار میں شاہ سے آگے بڑھ جانا خطرہ سے خالی ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد جو سیلاب مسجد نبوی سے نکلتا ہے، عشاء کی اذان کے ساتھ وہ انسانی سیلاب مسجد نبوی میں سمانے لگتا ہے، اب عشاء ادا کرنی ہے، تراویح بھی پڑھنی ہے، پھر واپسی ہوگی۔ عشاء کی نماز اور تراویح میں امام حرم نبوی کی سوز ودرد میں ڈوبی ہوئی قرأت دل پر کیا اثر ڈالتی ہے، کیا کہا جائے، سچ ہے قرآن پاک کے پڑھنے کا حق عربوں کو ہے، وہ قرآن پاک کے ہر لفظ کے رمز شناس، ہر آیت کی گہرائی تک پہونچنے والے، زبان کی نزاکتوں سے اچھی طرح واقف اور لہجہ بالکل نِک سُک سے درست، سب سے بڑھ کر وہ دل جس سے امام حرم نبوی کو خدا نے نوازا ہے، تراویح میں قرآن پاک سنئے اور سر دھنئے۔ ۲۷/کی شب میں ختم قرآن پاک تراویح میں کرتے ہیں، ۲۹/کی شب میں ختم تراویح کا وہاں کا طریقہ چلا آرہا ہے، ان دونوں راتوں میں بڑے امام صاحب کی دعاء، دل ہلا دینے والی اور دل کی پوچھئے تو عرش چھو لینے والی ہوتی ہے، امام صاحب محترم خود روتے ہیں، سبھوں کو رلاتے ہیں، سماں بندھ جاتا ہے، ہچکیاں بندھ جاتی ہیں، مجمع، نمازیوں کا مجمع اپنے آپ میں نہیں رہتا، بڑی عجیب کیفیت ہوتی ہے، امام صاحب محترم اس طرح مانگتے ہیں، اتنا تڑپ کر مانگتے ہیں اور مقتدی اتنے بے خود، اس درجہ خود فراموش، اس طرح غرق ندامت اور ایسے طالب عفو وعافیت ہوتے ہیں، کہ دل گواہی دینے لگتا ہے، بحر کرم کو جوش میں لانے کے واسطے یہ آنسو کافی ہیں، رحمت پروردگار کو جوش آئے گا، ضرور آئے گا، جو اشکوں سے تسبیح کے دانوں کا کام لیتے ہیں ان کے لیئے دل کی یہ گواہی بڑا آسرا ہے۔ اس حال میں ہوں یا اس حال میں، دونوں میں قدر مشترک ایمان کی حرارت اور عمل کا جذبہ ہے اور یہی وہ جوہر ہے جو ماضی کو حال سے جوڑتا ہے، حال کو ماضی سے وابستہ رکھتا ہے، اور ظاہر کے اتار چڑھاؤ کا اثر باطن پر نہیں آنے دیتا، اپنے اعمال سے بندہ مطمئن ہے تو عید کی سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لباس نئے ہوں یا پرانے، ایمان پر کبھی کہنگی طاری نہیں ہوتی، مسجد نبوی میں عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد دل بہت پرسکون رہتا ہے کہ گنے چنے چند دن سہی مگر عبادت خوب کی گئی، یہ دل کا سکون سچی خوشی کا بہترین ذریعہ ہے، چاند کے اعلان کے ساتھ عبادتوں کا زور کم ہو جاتا ہے اور عید کی تیاری کی جاتی ہے، آنے والے فجر کی نماز میں مسجد نبوی حاضر ہو جاتے ہیں اور فجر کی نماز پڑھ کر سورج طلوع ہونے کا انتظار کرتے ہیں، سورج ذرا بلند ہوا تو دوگانہ عید ادا کی جاتی ہے، کس زبان سے شکر ادا کیا جائے پروردگار عالم کا، جس نے اپنے پیارے نبی ؐ کے دربار میں حاضری کی توفیق دی، عبادتوں کی سعادت بخشی اور لاکھوں بندگان خدا کے ساتھ بار بار عید کی نماز پڑھنے کا موقع دیا۔ دربار نبوی کی حاضری اپنے آپ میں ہر فرد کے لئے ایک یادگار اور بڑا خوشگوار واقعہ ہے، ہر سفر میں کچھ ایسے لمحے آئے جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا، کچھ ایسے واقعات پیش آئے جو دل کی امانت ہیں۔

کچھ وارفتگئ شوق کے ایسے بھی محسوسات ہوتے ہیں جو دوسروں کے دل میں تڑپ بڑھا دیتے ہیں، ان محسوسات کو لفظوں کا جامہ پہنانا چاہئے۔ ابھی مغرب کی نماز میں چند منٹ کی دیر تھی، اللہ کے بندے مسجد نبوی کی طرف جوق در جوق بڑھ رہے تھے، میں بھی ایک بڑے دروازہ سے مسجد میں داخل ہوگیا، چند قدم آگے بڑھا تو سامنے دوری اور بلندی پر گنبد خضراء نظر آرہا تھا، میں رک گیا، ایک نوجوان سادہ سے کپڑے میں وہاں کھڑا تھا، بڑے انہماک، بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ اس کی نگاہ گنبد کی بلندیوں پر تھی اور دل میں حب نبوی کا سرمایہ تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بے تابانہ نکلے چلے جارہے تھے، میں اس نوجوان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، تاکہ آنے والی بھیڑ کے دھکوں سے وہ محفوظ رہے، اس کی یکسوئی میں خلل نہ آجائے، وہ گرد وپیش سے بالکل بے نیاز سراپا عجز ونیاز زیر لب کچھ گنگنا بھی رہا تھا، اس کی کیفیت نے دل پر گہرا اثر ڈالا، ایسا لگا جیسے قدم بندھ گئے ہوں، یہ بندش اس ارادت وعقیدت کی تھی، جس کے گھیرے میں کروڑوں انسان ہیں اور جس کا سرا گنبد والے آقا تک جا پہونچا ہے۔ کیفیت گہری ہوتی گئی۔ کتنا بڑا دربار ہے یہ، کیسی بلندیاں ہیں اس کی، کتنی عظمت وشفقت ہے اس میں، الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول الله، الصلوٰۃ والسلام علیك یا خیر خلق الله، ادھر کتنی عظمتیں ہیں، اِدھر کتنی پستیاں ہیں، ایک طرف روشن آفتاب، دوسری طرف ذرہ بے نور، پھر بھی نسبتوں نے ذروں کو چمک دمک اور زندگی کی رمق بخش دی ہے——ذرا کان لگایا تو بڑی دلگیر آواز میں بڑے ادب واحترام کے ساتھ وہ نوجوان ہدیہ عقیدت پیش کر رہا تھا، اس کے الفاظ دل میں اترتے جارہے تھے، اس کی آواز ہر نقش ماسوا سے مجھے بے پروا کر رہی تھی۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہونچا☆☆☆میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہونچا

بقیہ جات

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت توحید اور انسانیت کا ارتقاء

دنیا و مافیہا کو اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا، اٹھو، بڑھو، دریا کی موجوں، آسمان کی بلندی اور چاند کی دھرتی کو اپنے تابع بنا کر ترقی کی منزلیں تلاش کرو، اللہ کا پیغام انہیں بتایا "ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقنٰھم من الطیبٰت ،وفضلنٰھم علیٰ کثیر ممن خلقنا تفضیلاً" (بنی اسرائیل) اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو صاف ستھری اور ہم نے اپنی بہت ساری مخلوق پر اس کو فضیلت بخشی۔ اور فرمایا "ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً" (البقرۃ) ترجمہ: اس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں مسخر کر دیں، روئے زمین پر انسانوں کو اللہ کا خلیفہ بنایا، "واذقال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ" (البقرۃ) ترجمہ: "اور یاد کرو اس وقت کو جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں"۔ اس طرح انسانیت کو اوپر اٹھانے کے لیے آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اتنی جدوجہد اور قربانیاں دیں جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ کی اس خاص دعوت اور تحریک کا اثر یہ ہوا کہ انسانوں نے خود کو پہچانا اسے اپنی اہمیت کا احساس اور اپنی شناخت ہوئی اور اس نے شرک وتوہم پرستی سے اپنے وجود کو نکالا، توحید پرست بنے اور دنیا کو مسخر کرنے اور صرف اور صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنے کا عہد کیا، توحید کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آسمان، سورج اور چاند کی بلندی سے اوپر جا کر رب سے ملاقات کی اور معراج کا سفر کیا، دنیا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے چاند پر جانے کا سوچا بھی نہیں تھا لوگ تو اسے معبود سمجھتے تھے، اس سفر میں اللہ نے جہازوں سے بھی تیز رفتار سواری آپ کو براق کی شکل میں عطا کی، آپ نے انگلیوں کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کئے، آپ کے بلاوے پر درخت زمین کے سینے چیرتے ہوئے آپ کے قریب آ گیا، آپ نے پتھروں کو کلمہ پڑھوایا، بے زبان جانوروں کی بولیاں لوگوں کو سنوائی، آپ کی چاہت پر سورج غروب ہونے سے رکا رہا جب تک آپ نے نماز عصر نہیں ادا کی ان معجزات اور خرق عادات اعمال کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو بتایا کہ ساری دنیا تمہارے لئے مسخر اور تابع ہیں، تم ان کے سامنے مت جھکو، ہمت مت ہارو، وہ قوم جو چاند کو اپنا معبود و مسجود سمجھ رہی تھی اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات ان کے سامنے نہ ہوتی تو وہ چاند پر قدم رکھنے کو اپنے معبود کی توہین سمجھتے اور دنیا ارتقاء وعروج سے محروم رہتی، تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک دنیا میں توحید پر لوگ مضبوطی سے قائم رہے موحدین نے ایک بڑی دنیا فتح کی، سائنس اور ایجادات کا ریکارڈ بنایا، اسلام کی ابتدائی تاریخ اس کی شاہد ہے، اور یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ کی دعوت توحید کا نتیجہ ہے، مختلف خداؤں اور معبودوں کی وجہ سے دنیا فکری اختلاف کی آماجگاہ بن چکی تھی اور فکری اختلاف نے تشدد کی شکل اختیار کر لی تھی، لوگ خانہ جنگی کے حوالے ہو چکے تھے، اللہ کے رسولؐ نے عقیدۂ توحید کا تحفہ دیکر پوری انسانیت کو یکجا کرنے کی کوشش فرمائی، عقیدۂ توحید کی بنیاد پر لوگوں میں نصرت و ہمدردی، امن ومساوات کا پیغام عام کیا، آپ نے فرمایا:

"یٰایھا الناس ان ربکم واحد ،وان اباکم واحد، کلکم من آدم وآدم من تراب ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ولیس للعربی علی عجمی فضل الا بالتقویٰ" (کنز العمال) ترجمہ: "اے لوگو بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ بھی ایک، تم سب آدم سے ہو اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے، بے شک تم میں سب سے باعزت وہ ہے جو تم میں کا سب زیادہ متقی ہو، اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں الا یہ وہ اس سے زیادہ تقویٰ شعار ہو" آپ صل اللہ علیہ وسلم یہ بات اتنی بار اور اتنے انداز میں اتنی قوت سے آخر آخر تک کہتے رہے کہ جو کلمہ توحید پڑھ لیتا ہے وہ آپس میں اپنے حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت وشفقت کے ساتھ ہم شیر وشکر رہنے لگے مختلف زبانوں مختلف علاقوں مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے "انما المؤمنون اخوۃ" کی تشریح بن گئے، دنیا نے دیکھ لیا کہ عالمی اتحاد کے قیام میں توحید سے زیادہ کوئی چیز مؤثر نہیں ہو سکتی۔ اس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں ایمان والوں کی زندگی میں موجود ہیں، امراء، رؤساء اور خود پسندی میں مبتلا لوگ بہتوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ خورد ونوش کرنے کو اپنی توہین سمجھتے تھے، ان میں عقیدۂ توحید نے ایسا انقلاب برپا کیا کہ وہ ایک مؤمن کے جھوٹے کھانے پینے کو اپنے لیے شفاء سمجھنے لگے، عقیدۂ توحید نے عدل وانصاف، سماجی ومعاشرتی موجودہ حالات میں توحید اور اس کی اہمیت دنیا کو بتانے کی سخت ضرورت ہے تاکہ دنیا حقیقی ترقی حاصل کر سکے اور لسانی، وطنی منافرت دور کی جا سکے۔

غرضیکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت توحید کے ذریعہ انسانی ترقی کے دنیوی اور اخروی دروازے کھولے، انسانوں کو اس کا اصل مقام بتلایا جس سے انسانیت پامال ہونے سے بچی، انسانوں نے اپنی فکر کو وسعت دی اپنا دائرہ اختیار وعمل بڑھایا، وہ چھوٹی چھوٹی حد بندیوں سے نکل کر آسمان کی پروازیں لگانے لگا، اور انہیں تسخیر کائنات کا فلسفہ سمجھ میں آیا، **فجزاہ اللہ خیر الجزاء ،رب صل وسلم دائما ابداعلی حبیبک خیر الخلق کلھم۔**

بقیہ: سیرت طیبہ اور احترام انسانیت..... حضرت زید نے اپنے والد کو مخاطب کرتے ہوئے جو جملہ کہا وہ پوری عالم انسانیت کے لئے تاقیامت سبق آموز ہے اور تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے، آپ نے کہا کہ: "میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعلیٰ وبرتر اوصاف دیکھے ہیں کہ اس کے بعد میں ان پر نہ کسی کو ترجیح دے سکتا ہوں نہ کسی اور کے پاس رہ سکتا ہوں" (طبقات ابن سعد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی پوری زندگی کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انسانیت کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے غلام وآقا، مزدور ومالک میں کوئی درجہ امتیاز باقی نہیں رکھا گیا، امام ابوداؤدؒ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی کے بیٹے نے ایک غلام کو تھپڑ مارا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلا بھیجا اور غلام سے کہا کہ اس سے بدلہ لے لو، دنیا کی تاریخ میں انسانیت کے احترام وتقدس کی ایسی مثال نہیں مل سکتی۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروقؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کو ایک قبطی سے قصاص میں کوڑے لگوائے، وجہ یہ تھی کہ والی مصر کے صاحبزادے نے عیسائی قبطی کے بیٹے کو اس لئے مارا کہ اس کے گمان کے مطابق اس کے والد مصر کے حاکم ہیں، جب امیر المومنین کے پاس انصاف کے مطالبہ کے لئے وہ قبطی شخص حاضر ہوئے تو آپ نے عمرو بن العاص اور ان کے بیٹے کو مصر سے مدینہ منورہ طلب کیا اور انصاف کر کے حاکم ومحکوم کے امتیاز کو ختم کیا اور ساتھ حضرت عمرو بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا" تم لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کر دیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تربیت یافتہ جماعتوں نے دنیا کے نصف سے زیادہ حصوں پر اسلامی پرچم کو نصب کیا مگر کبھی کسی بوڑھے، بچے، عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا گیا اور نہ ہی ان کے عبادت خانوں کی توہین کی گئی، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عالمی اور آفاقی نظریہ پیش کرتے ہوئے عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان (بخاری) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انطلقوا باسم اللہ وباللہ علی ملۃ رسول اللہ لاتقتلوا شیخافانیا ولا طفلاصغیرا ولا امراۃ"

اقوام عالم کے جنگوں کی تاریخیں فاتح قوم کی بربریت وخونریزی اور مفتوح قوم کے ساتھ درندگی وحیوانیت کے واقعات بھری پڑی ہیں، جنگ میں قتل ہونے والوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے تھے، بلکہ زندہ قیدیوں کو درختوں سے باندھ کر تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی تھی، محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے بعد لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور اعضاء کو کاٹ کر مثلہ کرنے سے منع فرمایا اور اس بدترین عمل کو انسانیت کے احترام وتوقیر کے خلاف قرار دیا۔ "نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المثلۃ"

آج گرچہ دنیا نے ترقی کے بام عروج کو چھو لیا ہو اور جدید آلات اور ذرائع ابلاغ ووسائل کے باب میں حضرت انسان کی ذہانت وفراست کا سکہ منوانے کی کوشش کر رہی ہو مگر اخلاق واقدار اور انسانوں کی تحقیر وتوہین کے معاملہ میں قبل اسلام یونان، مصر وروم اور قدیم ہندوستان میں جاری روایات سے کم نہیں ہے، ہاں وہ ادارے جو واقعتاً انسانیت کے احترام اور حقوق کے فروغ کے لئے کوشاں ہیں ان کے لئے سیرت طیبہ لازم وضروری ہے کہ وہ اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہر نقل وحرکت میں رہنما اصول سمجھیں، کیونکہ اسی کی پیروی انسانیت کو ذلت ورسوائی کی عمیق گہرائی سے نکال کر عزت وسربلندی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

بقیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی خدمت..... دوسری روایت میں ہے: اللہ اپنے بندہ کی مدد اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ (مسلم)

بیماروں کے حقوق: حضور ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو وہ جنت کے باغ میں رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوٹ جائے۔ (مسلم:)

حضرت براابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ: رسول ﷺ نے ہمیں بیماروں کی تیمار کا حکم دیا ہے۔

دنیا کا ایک کمزور طبقہ جو ہماری ہمدردیوں کا مستحق ہے، بیماروں اور مریضوں کا ہے، یہ عموماً اپنی اس حالت میں اپنی خبر گیری اور خدمت اپنے آپ نہیں کر سکتے، ان ہمدردیوں کے لائق انسانوں کو کی دیکھ بھال، خدمت، غم خواری اور تیمارداری بھی انسانیت کا فریضہ ہے اور اسی فرض کا نام عربی میں "عیادت" ہے۔

دیگر حقوق: اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مخلوق خدا کے بہت سے حقوق بیان کئے ہیں مثلاً اولاد کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، مسلمانوں کے باہمی حقوق، انسان کے اپنے حقوق، انسانی برادری کے حقوق، جانوروں کے حقوق وغیرہ، آہ! دل مسوس کر رہ گیا، قلم تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے، لیکن کیا کیجئے اس مضمون میں اتنی ہی گنجائش ہے۔

امارت شرعیہ اور انسانی خدمت: مذکورہ بالا روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ ہمدردی وغم گساری، مریضوں کی عیادت، ضعیفوں اور محتاجوں کی مدد انبیاء کرام علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت اور عبادت کا درجہ رکھتی ہے، اس لئے ایک مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کے قلوب میں محتاجوں، بے سہاروں و کمزوروں کی امداد، مریضوں کی عیادت، علاج ومعالجہ اور ایثار وقربانی کا جذبہ موجزن ہو۔

امارت شرعیہ ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی۔ اُس وقت سے اب تک اس کی بیش بہا خدمات ایک مستقل تاریخ کا موضوع ہیں؛ چوں کہ امارت شرعیہ مسلمانان ہند، خاص طور پر بہار، اڈیشہ، جھارکھنڈ اور مغربی بنگال کی ایک دینی وملی تنظیم ہے، اس لئے اس کا دائرہ کار بہت پھیلا ہوا ہے، کام کی ہمہ گیری اور وسعت کے پیش نظر اس ادارہ کے مختلف شعبے قائم کر دئے گئے ہیں، جن کے ذریعہ ابتدائے قیام سے برابر دین وملت کی مفید خدمات انجام دئے جا رہے ہیں۔

بنیادی شعبے: امارت شرعیہ کے بنیادی شعبہ جات مندرجہ ذیل ہیں

(۱) شعبۂ تبلیغ (۲) شعبۂ تنظیم (۳) شعبۂ تعلیم مذہبی وعصری (۴) شعبۂ افتاء (۶) شعبۂ قضا (۷) شعبۂ تحفظ مسلمین (۸) شعبۂ نشر واشاعت (۹) شعبۂ بیت المال ،اس کے علاوہ (۹) تعیرات (۱۰) ریلیف فنڈ (۱۱) وفاق المدارس (۱۲) شعبۂ مکاتب اور مساجد سے بھی مستقل شعبہ اختیار کر لیا ہے اور دیگر عصری، دینی تعلیم اور رفاہی کاموں کے لئے امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، المہد ٹرسٹ اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ قائم ہیں۔

بقیہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق..... اس گستاخی کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ کر اس کی طرف دوڑے، ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی صبر وتحمل کے ساتھ اس شخص کی گفتگو سن کر فرمایا۔ اے عمر تمہیں ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ تم مجھے حسن ادائیگی کا مشورہ دیتے اور قرض خواہ کو حسن سلوک کی ہدایت کرتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رقم کی ادائیگی کا انتظام کیا وہ شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اچھے اخلاق اور حسن سلوک سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ فوراً اسلام قبول کر لیا۔

حقیقت تو یہی ہے کہ دنیا کی ساری خوشحالی اور امن وامان کا انحصار حسن اخلاق ہی پر ہے، اگر انسان اپنے اخلاق و فرائض پر پوری ذمہ داری کے ساتھ عمل پیرا ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی اور ایسا انسان زندگی کے ہر مرحلے میں کامیاب وبامراد ہوگا۔

تیرا وجود پاک بصد شرف امتیاز
بخشا خدا نے خلق کو ایک تحفہ نایاب

اللہ تعالیٰ سیرت نبویؐ کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی

مولانا محمد انظار عالم قاسمی نائب قاضی شریعت مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ

مکی زندگی کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ہوتا ہے جو عام الفیل ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں ہوئی، مشہور روایت کے مطابق بارہ ربیع الاول اور معتبر روایت کے مطابق نو ربیع الاول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر بہت سے حیرت انگیز واقعات پیش آئے، جن کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، مثلاً فارس کا آتش کدہ بجھ گیا، قریش کی معاشی بدحالی ختم ہوگئی، ویران زمین سرسبز وشاداب ہوگئی، سوکھے درخت ہرے بھرے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ کے دادا عبدالمطلب نے محمد رکھا، جن کا تعلق قریش عرب کے معزز ترین قبیلہ بنو ہاشم سے تھا، یہ خاندان حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے دین پر تھا، جسے دین حنیف کہتے ہیں، والد کا انتقال پیدائش سے چھ ماہ قبل ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی، اس دوران کچھ مدت آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ اور حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا، حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں دودھ پینے کے بعد بھی کچھ عرصہ گذارا، چھ سال کی عمر میں والدہ اور آٹھ سال کی عمر میں دادا کا انتقال ہوگیا، پھر پرورش کی ذمہ داریاں بنو ہاشم کے نئے سردار اور آپ کے چچا ابوطالب نے سرانجام دی، آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ شام کا تجارتی سفر بھی کیا، دوران سفر بحیرہ نامی راہب نے آپ میں نبوت کی نشانی دیکھی اور یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں آپ کی جان پر خطرہ لاحق ہونے کا اشارہ بھی کیا تو ابوطالب نے یہ سفر ملتوی کردیا اور مکہ واپس آگئے، پچیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا دوسرا سفر کیا اور امانت ودیانت کی بنیاد پر اپنے آپ کو اچھا تاجر ثابت کیا، حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانداری اور اخلاق کی باتیں بتائیں تو انہوں نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے واسطے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام دیا جس کو آپ نے اپنے چچا ابوطالب کے مشورہ سے قبول کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال عمر تھی، چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ورسالت سے سرفراز ہوئے، غار حرا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لیکر آئے اور سورہ علق کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، ابتداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں، قریبی لوگوں، دوستوں اور خاندان والوں میں تبلیغ کی، چنانچہ حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، زید بن ثابت اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم پہلے مرحلہ میں ہی ایمان لائے، تین سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ شروع کی، جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی مقامی لیڈروں کو خطرہ محسوس ہونے لگا اور انہوں نے کھل کر آپ کی مخالفت کی، حتی کہ اپنے قبیلے والوں سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، اور ایک وقت وہ آیا کہ قریش نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف ایک معاہدہ پر دستخط کیا کہ جب تک یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہیں کرتے اس وقت تک ان سے ہر قسم کا مقاطعہ کیا جائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شعب ابی طالب میں نظر بند کردیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کا بھی سماجی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا، جس کی وجہ سے مسلمان تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے، کھانے پینے کی کوئی چیز اس گھاٹی میں داخل نہیں ہونے دی گئی، اس دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کو نہایت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مشکلات اور سختی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دوران بھوک مٹانے کے لئے بعض اوقات درختوں کی جڑیں چبانا پڑتی تھیں، اور پیٹ پر کھجور کی تنیں یا چمڑہ باندھنا پڑتا تھا، معاہدہ میں یہ باتیں شامل تھیں کہ

(۱) کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے (۲) ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید وفروخت نہ کرے (۳) ان لوگوں سے میل جول، سلام وکلام اور ملاقات نہ کرے (۴) ان لوگوں کے پاس کھانے، پینے کا سامان نہ جانے دے۔

شعب ابی طالب سے نکلنے کے کچھ ہی دنوں بعد چچا ابوطالب بیمار ہوئے اور ان کا انتقال ہوگیا، ابوطالب کا انتقال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بہت ہی جاں گداز اور روح فرسا حادثہ تھا، کیونکہ بچپن سے جس طرح پیار ومحبت کے ساتھ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جانثاری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ودستگیری کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہوکر جس طرح آلام ومصائب کا مقابلہ کیا تھا اس کو بھلا حضور صلی اللہ ولیہ وسلم کس طرح بھول سکتے تھے، ابھی ابوطالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابوطالب کی وفات کے تین یا پانچ دن کے بعد شریک حیات بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی دنیا سے رخصت فرما گئیں، ابوطالب کے بعد جس ہستی نے سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی، دونوں مددگار اور غمگسار کے دنیا سے اٹھنے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اتنا عظیم صدمہ گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام ''عام الحزن'' یعنی (غم کا سال) رکھ دیا، یہ بعثت نبوی کا دسواں سال تھا۔ قریش مکہ کی جانب سے اسلام کی دعوت کو ٹھکرانے اور اس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنے کے بعد آپ نے طائف کا سفر کیا، لیکن ان تک جب توحید کی دعوت پہونچی تو اہل مکہ طرح وہ بھی نہ صرف اس نئے دین کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے بلکہ آپ کے ساتھ نازیبا سلوک کرنے میں قریش سے بھی دو قدم آگے نکل گئے، اہل طائف نے نہایت ہی بے رخی اور بداخلاقی کا ثبوت دیا اور ہر طرح آپ کے ساتھ نازیبا حرکت کی، اور آوارلڑکوں کو آپ کے پیچھے لگادیا، جنہوں نے آپ کو پتھر مار مار زخمی کردیا، حتی کہ آپ کے نعلین مبارک لہو سے بھر گئے۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور پنجگانہ نمازیں فرض ہوئیں، مدینہ سے ہر سال لوگ حج کرنے مکہ آیا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے اسلام پیش کیا، یہود ایک نئے نبی کی آمد کی بات سن چکے تھے، انہیں یقین ہوگیا کہ یہ وہی رسول ہے، چنانچہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہوگئے، انہوں نے واپس جاکر اسلام کا پیغام دوسروں تک پہونچادیا، تو گلے سال بارہ نبوی میں یثرب کے بارہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مسلمانوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے مدینہ روانہ کیا وہ انصار کے ایک ایک گھر جاکر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی آغوش اسلام میں آنے لگے، ۱۳ر نبوی میں مدینہ کے ستر مرد اور بیس عورتوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، مدینہ میں اسلام کی روشنی گھر گھر پھیل چکی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا، جب قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے دارالندوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا، اللہ نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملادیا، آپ کفار کے گھیرے سے پورے اطمینان کے ساتھ نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کو لیکر غار ثور تشریف لے گئے اور تین رات وہاں چھپے رہے، مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر پہونچ گئے، اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے پیروں پر پڑتی تو وہ دیکھ لیتے، حضرت ابوبکر نے اپنی گھبراہٹ کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے یقین کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ ہمارے تمہارے درمیان ایک تیسری ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کی مدد ونصرت یقینی ہے، ہمارا پروردگار ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں اپنے دشمنوں کے چنگل میں پڑنے سے بچائے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب اور ابوبکر صدیقؓ کی ایسی حفاظت فرمائی کہ وہ مشرکین مکہ جو غار کے منہ پر کھڑے اپنی تیز نگاہوں سے ادھر ادھر حضور کو تلاش کررہے تھے اور اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ حضور اسی غار میں ہیں عین موقع پر ہمت ہار بیٹھے، نہ تو ان کو آگے تلاش کا موقع ملا اور نہ انہیں پیروں کی طرف غار کے اندر دیکھنا نصیب ہوا، بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر کبوتروں نے غار کے منہ پر انڈے رکھ دیئے اور مکڑیوں نے جالا تن دیا، اس طرح اللہ نے مشرکین مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی اور تین رات غار ثور میں قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن اخلاق

حافظ محمد امتیاز رحمانی جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر

انسانیت سوز اور پرآشوب ماحول وفضا میں خالق یزداں نے مربی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہی تھا کہ دنیا میں خدائے رحیم وکریم کے ناموں کا بول بالا ہو، عناد وسرکشی اور غیر اخلاقی رسم ورواج کا خاتمہ ہو اخلاق فاضلہ، اوصاف حمیدہ کا چلن ہو، ہر انسان ایک دوسرے کا ہمدرد وغمگسار ہو، احسان شناسی ووفاشعاری، الفت ومحبت اور عدل وانصاف کے ڈنکے بجیں اور ابن آدم کو دارین کی سعادت نصیب ہو۔ پھر کیا تھا اچانک دنیا میں انقلاب آیا تمام برائیاں ختم ہوگئیں۔ ہر ایک کو جائز حق ملنے لگا حتی کہ عورتیں بھی قابل قدر شمار ہونے لگیں اور انسانی عظمتوں کی حقدار بن گئیں، بچیوں کی پرورش وپرداخت پر جنت کی بشارت دی گئی، دوسری طرف شوہر کو ہدایت کی گئی کہ بیوی پر بلاوجہ مار پیٹ کے ذریعہ سختی وزیادتی نہ کرے، ان کے حقوق کا پورا خیال رکھے، حاکم ہونے کی حیثیت سے اگر تنبیہ کی ضرورت پڑے تو ان کے بدن کو مار کر داغدار نہ کرے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کرے، اور جب یہی بچی ماں بن جاتی ہے۔ تو سبحان اللہ۔ کیا کہنا رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

اس حقیقت سے انکار کی جرأت کس کو ہوسکتی ہے کہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم انسانی قدر ومنزلت اور اخلاق کریمانہ کے بڑے اونچے درجہ پر فائز تھے، قرآن حکیم نے ببانگ دہل اعلان کیا، **انک لعلی خلق عظیم**، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اخلاق کے بڑے مرتبہ پر فائز تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا؟ آپؓ نے جواب دیا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا ہے، **کان خلقہ القرآن**، آپ کا اخلاق تو قرآن ہے، خود آپ کا ارشاد مبارک ہے **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں تو اخلاق کو مکمل کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں، قیامت کے دن مومن کے اعمال کے ترازو میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہ ہوگی، اخلاقیات کے سچے واقعات سے آپ کی حیات طیبہ تابندہ ودرخشندہ ہے، حسن اخلاق سے متعلق شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سب سے وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کی میزان میں رکھی جائے گی۔ وہ اچھا حسن اخلاق ہوگا'' (ترمذی) حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں، جب میں گھوڑے پر سوار ہونے کیلئے (رکاب میں پاؤں رکھا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخری نصیحت فرمائی وہ یہ تھی ''اے معاذ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا'' (مشکوۃ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن اپنے اچھے اخلاق کی بدولت اس شخص کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو رات بھر کھڑا ہوکر عبادت کرتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے'' (مشکوۃ)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنا شروع کردیا، اصحاب کرام ان کی خبر لینے کیلئے چہار جانب سے دوڑ پڑے، محسن اعظم نے انہیں روک دیا جب اعرابی پیشاب کرکے فارغ ہوا تو آپ نے اسے قریب بلایا اور نہایت ہی شفقت سے اسے سمجھایا کہ مسجدیں عبادت گاہ ہیں جو ذکر اللہ کیلئے، نماز کیلئے اور تلاوت قرآن کیلئے بنائی گئی ہیں یہاں پیشاب پاخانہ نہیں کرنا چاہیے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اپنے دست مبارک سے اس جگہ کو دھودیا۔ اسی طرح مسجد نبوی میں ایک دن جلوہ افروز تھے ایک شخص آیا اور شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رقم کا مطالبہ کیا اس کا دعویٰ تھا کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ واجب الاداء قرض ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش اس کی باتیں سن رہے تھے اس نے الٹی سیدھی باتیں شروع کردیں، اور آپ کی عبا پکڑ کر کھینچنے لگا۔ **(بقیہ صفحہ ۱۷ر پر)**

اتحادامت-سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

مفتی محمد سعید الرحمٰن صاحب قاسمی مفتی امارت شرعیہ

اسلام جس طرح پوری انسانیت کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اسی طرح یہ زندہ وجاوید، متحرک اور فطرت سے ہم آہنگ آسمانی دین بھی ہے جس کا اپنا مکمل قانون اور مربوط ومستحکم نظام ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو وحدت واجتماعیت، انس ومحبت، اخوت وبھائی چارگی اور ہمدردی وغمگساری کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ رب العزت نے بڑے بلیغ اور حکیمانہ انداز میں انسانوں کو باہم مربوط اور متحد ومتفق رہنے کی تلقین فرمائی ہے، اس لیے کہ اتحاد واتفاق وہ عظیم نعمت ہے جس کے محمود ومطلوب ہونے پر پورے عالم کے انسانوں کا اتفاق ہے خواہ وہ کسی ملک، کسی زمانہ، کسی مذہب اور مسلک ومشرب سے تعلق رکھتے ہوں۔

قرآن کریم نے انسانوں کے اتحاد واتفاق کے لیے ایک ایسی چیز بتلائی جو پوری انسانیت کے لیے قابل قبول ہو اور وہ خالق کائنات کا بھیجا ہوا نظام وقانون ہے جس سے کوئی عقلمند انسان اصولاً انکار نہیں کرسکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَاناً وَّكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَالِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْن.'' (آل عمران: ۱۰۳)

''اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اسکو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچالی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرکے بتلاتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ ہدایت پر قائم رہو۔''

نسخۂ کیمیا:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسا نسخۂ کیمیا اور مرکز وحدت بتلایا ہے جو ایک طرف تو اہل ایمان کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط ومستحکم کرتا ہے اور دوسری طرف اہل ایمان کو باہم مضبوط اور منظم جماعت بناتا ہے۔ یعنی ہر انسان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس نظام حیات (قرآن) کو اپنے سینہ سے لگائے، اپنے رشتہ کو اس سے مضبوط کرے اور مکمل طور سے اس پر عمل کرے، جب ایسا کرے گا تو تمام مسلمان خود بخود باہم ایک جسم کی طرح متحد ومتفق ہوجائیں گے اور ملت اسلامیہ کا شیرازہ خود بخود منظم ہوجائے گا۔

اور آگے اللہ رب العزت نے حسب معمول ایجابی پہلو کے بعد سلبی پہلو کو بیان فرمایا کہ آپس میں اختلاف وانتشار نہ پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ نے مختلف جماعتوں اور ٹولیوں میں بٹنے کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال: ۴۶) ''اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تفرق وتشتت اور باہمی نزاع میں دو خرابیوں کا ذکر فرمایا ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہوجاؤ گے، دوسرے یہ کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی یعنی دشمنوں کے قلوب سے تمہاری ہیبت اور تمہارا رعب ودبدبہ ختم ہوجائے گا۔ آج لوگ ذات پات، رنگ ونسل، زبان وبیان، مسلک ومشرب اور سیاسی وجماعتی عصبیت کے شکار ہیں اور اس بنیاد پر ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حقیر وذلیل گردانتے ہیں جس کا نتیجہ یہاں تک پہونچتا ہے کہ قتل وخون کا بازار گرم ہوجاتا ہے، ایک بھائی کی تلوار دوسرے بھائی کی گردن پر چلتی نظر آتی ہے ہر شخص ایک دوسرے کے خون کا پیاسا دیکھائی دیتا ہے، جب کہ اسلامی تعلیمات یہ ہے کہ پوری انسانی آبادی کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس لیے صورتوں، رنگوں، زبانوں، نسلوں اور تہذیبوں کے اختلاف کے باوجود ہم سب ایک ہیں، ہر انسان مساوی حقوق رکھتا ہے اگر ان میں ترجیح اور فوقیت کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے تو وہ تقویٰ ہے، لہٰذا رنگ ونسل، ذات پات اور مسلک ومشرب کی بنیاد پر تفرقہ اور بغض وحسد کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من دعا بدعوى الجاهلية فهو من جثاء جهنم قالوا يا رسول الله وإن صام و صلى. قال وإن صام و صلى وزعم أنه مسلم(مسند احمد رقم الحديث: ۱۷۸۳۳)

جس نے جاہلیت کی زندگی کی دعوت دی وہ جہنم کا ایندھن بنے گا، لوگوں نے دریافت کیا یارسول اللہ اگرچہ یہ شخص روزہ رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں اگرچہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور اپنے زعم میں اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو'' اس لیے جو لوگ برادری کے نام پر لوگوں کو متحد کرتے ہیں یہ حدیث ان کو جہنمی بتارہی ہے۔ لہٰذا عصبیت جاہلیہ سے مکمل طور پر پرہیز کرنا چاہئے۔

فضیلت کی بنیاد:

حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطبہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے بڑے اجتماع کو جو ہدایتی اصول ارشاد فرمائے ہیں اس کا بھی خلاصہ یہی ہے کہ سارے انسان حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی اولاد ہیں ایک انسان کو دوسرے انسان پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں ہے۔ سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''كلكم بنو آدم وآدم من تراب'' (مسند بزار رقم الحديث: ۲۹۳۸) ہر شخص آدمؑ کی اولاد ہے اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنائے گئے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ برادری، رنگ ونسل اور علاقائیت کی بنا پر کسی بھی قسم کی فوقیت اور ترجیح کی بنیاد کو مسمار کرکے وحدت انسانیت کا ایک عظیم پیغام دیا ہے۔

حدیث میں ہے: ''المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا (الصحيح للبخاری ۲/ ۸۹۰) مسلمانوں کی زندگی دیوار کی طرح ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سہارا پانی اور سہارا دیتی ہے۔ یہ حدیث مسلمانوں کو اخوت وبھائی چارگی اور انس ومحبت کا درس دیتی ہے اور بتلاتی ہے کہ ایمان کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو خونی رشتہ سے بھی زیادہ مضبوط ومستحکم ہے چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردکھلایا ہے۔ ایک اور حدیث جس میں مسلمانوں کو جسم کے اعضاء سے تشبیہ دی گئی کہ جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف پہونچتی ہے تو سر کے بال سے پیر تک پورا جسم کرب واضطراب میں غرق ہوجاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''المؤمنون كرجل واحد إذا اشتكى رأسه تداعى له سائر الجسد بالحمى والسهر'' (الصحيح لمسلم) تمام مسلمان ایک آدمی کی مانند ہیں کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو تکلیف پہونچے تو جسم کا باقی تمام حصہ بھی بخار اور بے خوابی کا شکار ہوجاتا ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف وانتشار کو دیکھ کر بالکل بے چین اور پریشان ہوجایا کرتے تھے، اور اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی ہر ممکن عملی کوشش کرتے تھے۔ اتفاقا خانہ کعبہ میں حجر اسود کو نصب کرنے کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوا، اور آپ کو حکم بنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر اختیار کی کہ سب خوش ہوئے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھایا اس پر حجر اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا، پھر ہر قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں، اس طرح پتھر کو وہاں لائے جہاں نصب کرنا تھا، بعدہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر نصب کردیا، اس طرح اس حسن تدبیر سے ایک خونخوار جنگ کا انسداد ہوگیا۔ مدینہ میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے، یہودیوں کے متعدد قبیلے خصوصا بہت طاقتور تھے، اور اپنے جداگانہ قلعوں میں رہا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتحاد واتفاق کے لئے کس درجہ فکرمند رہا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال ایک معاہدہ مسلمانوں اور یہودیوں سے بین الاقوامی اصول پر لیا، جو میثاق مدینہ سے مشہور ہے، جس نے مدینہ میں امن وامان کی فضا قائم رکھی، تاکہ نسل اور مذہب کے اختلاف کے باوجود یعنی قومیت کی وحدت قائم رہے، اور سب کو تمدن وتہذیب میں ایک دوسرے سے مدد واعانت ملتی رہے۔

افسوس! جس امت کو اس کے نبی نے اتحاد واتفاق، الفت ومحبت اور ایثار وقربانی کی تعلیم دی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ پوری امت جسد واحد کے حکم میں ہے، آج وہ امت اپنے آپ کو تفریق کی قینچیوں سے کاٹ رہی ہے، کہیں فرقے اور برادری کی بنیاد پر امت میں افتراق وانتشار ہے تو کہیں فروعی مسائل مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر اور میلاد وقیام کے مسئلے کو چھیڑ کر امت کو شقاق ونفاق کے دلدل میں پھنسایا جارہا ہے، پس اے شیدایانِ رسالت اور وحدانیت کے علمبردار آؤ ہم سب ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کام کریں اور محبت وبھائی چارگی کی فضا کو عام کریں اور جن مسائل میں امت کا اتفاق ہے وہ بہت زیادہ ہیں اور جن میں امت کے مابین اختلاف ہے وہ بہت کم ہیں پھر کیوں ان مسائل کو چھیڑ کر امت کو ٹکڑوں میں بانٹیں، بات، بات پر ایک دوسرے کو کافر، فاسق اور ضال ومضل قرار دینا در اصل معنوی اعتبار سے گردن مارنے اور قتل کردینے کے درجہ میں ہے۔ آج حالات بڑے نازک ہیں، امت مسلمہ پر آئے دن حملے ہورہے ہیں وطن عزیز کا یہ منظر کتنا دلخراش ہے کہ یہاں قانون بے چارہ ہوتا جارہا ہے سچائی کو مسخ کیا جارہا ہے، حقیقتوں کو پراپگنڈوں میں دبایا جارہا ہے، آج ہمارے خرمن کو جلانے کے لیے بجلیاں ہر چہار طرف سے گرج رہی ہیں۔ اغیار ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی سچی تعلیمات کو مٹانے کے درپے ہیں اور ابطال حق اور فساد فی الارض کے لیے ہر قسم کی جانی ومالی قربانی دے رہے ہیں، کبھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی بات کی جاتی ہے تو کبھی دار القضاء کے نظام شرعی کو چیلنج کیا جارہا ہے، کبھی محسن انسانیت کی اہانت کی ناپاک سازش کی جارہی ہے تو کبھی فقہ کے کسی مسئلہ کو ہتھیار بنا کر امت مسلمہ کے شیرازہ کو بکھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ وہ حقائق ہیں جو آج ہماری نظروں کے سامنے ہیں، ان حالات میں امت مسلمہ کے ہر فرد کا یہ فرض بنتا ہے کہ فروعی، مسلکی وسیاسی اختلافات نیز ذات پات، زبان وبیان اور علاقائی عصبیت سے بالاتر ہوکر محض کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومتفق ہوکر باطل طاقتوں کا مقابلہ کریں۔

نعت شریف

صاحبِ وحیِ منزّل، مہبطِ ''والعادیات''
گفتگو تفسیر قرآں، ہر اشارہ ''بینات''

دو جہاں ہے اس پہ نازاں، وہ ہے حسنِ کائنات
اس سے خائف اہلِ باطل، لات ہو یا سومنات

قدسیوں سے خوب تر ہے، محسنِ عالی صفات
حسنِ پیکر سے متور، وہ رسولِ خوش جہات

لفظ عاجز ذکر سے ہیں، ان کا رتبہ باثبات
حرف ومعنیٰ دست بستہ کررہے ہیں شرح ذات

مدح سے حسان قاصر، میری کیا ہے پھر بساط!
نقشِ پا پر ہے نچھاور چودھویں کی چاندرات

(احمد بن نذر)

LEADING URDU JOURNAL OF IMARAT-E-SHARIAH
BIHAR ORISSA JHARKHAND

NAQUEEB WEEKLY

PHULWARI SHARIF,PATNA 801505

SSPOS PATNA Regd.No.PT 14-6-18-20
R.N.I.N.Delhi,Regd No-4136/61

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے ☆☆☆ غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ☆☆☆ وہی قرآں وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
(علامہ محمد اقبالؒ)

علم اور برداشت-قوت کے دو سرچشمے

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اللہ رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا، اور آپ کی رحمت کو اس قدر عام کر دیا کہ آپ رحمۃ للعالمین قرار پائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمام انس وجن کے لیے نمونۂ عمل بنا دیا، چونکہ نبی اور رسول کے اعمال وعقائد، معاملات وتعلقات کی نگہبانی منجانب اللہ کی جاتی ہے، اس لیے وہ پیدائشی طور پر معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ان سے اعلان نبوت ورسالت سے پہلے بھی کوئی ایسا کام نہیں ہوتا جو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کے خلاف ہو، اسی بنیاد پر نبی ورسول کی زندگی اسوہ قرار پاتی ہے اور اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی بھی مثالی ہوتی ہے، اور اس طرح پاک وصاف ہوتی ہے کہ اس کی پیروی کی جا سکتی ہے۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا فیصلہ تو اسی وقت ہو گیا تھا جب آدم علیہ السلام تخلیق کے مرحلے سے گذر رہے تھے، پھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، جو انسانوں پر اللہ کا بڑا فضل تھا، بن شعور تک پہونچنے کے بعد آپ نے ذکر وفکر اور یاد الٰہی کے لیے غار حرا کا رخ کیا، جہاں خلوت تھی، تنہائی تھی، رب کائنات کی نوازش تھی، انعامات تھے، ان دنوں اللہ رب العزت کی جانب سے آپ کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما، وحی الٰہی کے بوجھ کو برداشت کرنے کے لیے کی گئی، اس کے باوجود جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ پر کپکپی طاری ہوئی اور خوف نے آپ کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا، زَمِّلُوْنِی ، زَمِّلُوْنِی کی صدا سے یہی سمجھ میں آتا ہے، اور یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ، یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اس خوف وہراس کے ماحول سے نکال کر آپ کو کار نبوت کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا، اور آپ ایک داعی کی حیثیت سے سرگرم عمل ہو گیے۔

یوں تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے قیمتی ہے، لیکن جب غار حرا میں آپ پر نزول قرآن کا آغاز ہوا، اور آپ وہاں سے نکل کر باہر آئے تو امت کے لیے اقراء کا پیغام لے کر آئے، علم کا وہ تصور جو اللہ رب العزت کی معرفت عطا کرے اور زندگی کے کسی حصے میں انسان کا رشتہ رب سے نہ ٹوٹے، یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ جہالت کی تاریکیاں دور ہوں گی اور علم کے نور سے دنیا منور ہوگی، اللہ رب العزت نے آپ کو اُمی بنا کر سارے علوم وتحقیقات کے دروازے آپ پر کھول دیئے، خاندان، پڑوس، سماج اور ملک کے تئیں جو ذمہ داریاں اور حقوق ہیں، ان تمام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف واقف کرایا؛ بلکہ عمل کر کے دکھایا، علم وعمل کا ایسا حسین سنگم کسی اور کی زندگی میں دیکھنے کو نہیں ملتا، اللہ رب العزت نے بکریاں چرانے، مزدوری کرنے، صلح صفائی کرانے، جہاں داری اور جہانبانی کرنے کے علوم وفنون سے آپ کو آراستہ کر دیا، کام بہت سارے تھے، اوصاف بھی بہت تھے، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعارف معلم کی حیثیت سے کرایا، اور یہ بھی واضح کر دیا کہ میں کتابوں کے جامد حروف والفاظ پڑھانے والا معلم نہیں ہوں، بلکہ ان الفاظ کے پیچھے چھپے معانی وحقائق کو عملی زندگی میں اس طرح رائج کرنے والا ہوں کہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترویج واشاعت ہو اور انسان آخرت میں جنت کا مستحق قرار پائے۔

قرآن کریم نے علم والوں کے فضائل بیان کیے اور واضح کر دیا کہ علم والے اور بے علم اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہے، دن، رات برابر نہیں ہیں، اعلان یہ بھی کیا گیا کہ علم والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، ان کے اندر معرفت رب ہوتا ہے جو ان کو خود شناسی اور خدا شناسی پر آمادہ کرتا ہے، یہ معرفت خداوندی انسانی زندگی کو ایسے معتدل اور متوازن راہ پر ڈالتی ہے کہ ہر دو جہاں میں فوز وفلاح کے دروازے کھلتے ہیں، اس طرح دیکھیں تو غار حرا کا پہلا سبق اور امت کے لیے پہلا تحفہ تعلیم ہے، اور یہ امت تعلیم کے نام پر ہی اٹھائی گئی ہے، اس پہلے تحفہ سے مسلم سماج کی بے اعتنائی سے ہم سب واقف ہیں، آج صورت حال یہ ہے کہ جہاں مسلم آبادی زیادہ ہے، وہاں تعلیم کا گراف خطرے کے نشان سے بہت اونچا ہو گیا ہے، مسلم بچے، بچیاں زری کے کارخانوں میں لگے ہوئے ہیں، ہوٹل میں بیرے کا کام کر رہے ہیں اور کپڑے کے ڈھیر سے ردی چننے میں لگے ہیں، ان کا بچپنہ اس طرح تباہ ہو رہا ہے؛ بلکہ تباہ کیا جا رہا ہے، تعلیمی اداروں میں پڑھنے والوں کی بھیڑ کو دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ ملت پڑھ رہی ہے، حالانکہ یہ بہت معمولی تعداد ہے جو مدارس کی چٹائی اور اسکول کی بینچ پر آپ کو نظر آ رہی ہے، جب تک ہم بھینس کی پیٹھ سے بچوں کو اتار کر تعلیم گاہوں میں نہیں لاتے، بیرے کے کام کو چھڑوا کر پڑھنے میں نہیں لگاتے، بال مزدوری سے انہیں نہیں بچاتے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ملت پڑھ رہی ہے، ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اثرات، اپنے وسائل، اپنی طاقت وتوانائی علم کے فروغ میں لگائیں اور اس راہ کی دشواریاں دور کرنے کے لیے جد وجہد کریں یہ ہمارا اسلامی اور ایمانی تقاضہ بھی ہے اور مذہبی فریضہ بھی۔

دوسری چیز جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ میں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے اور جس کے ذریعہ آپ نے مشکل حالات، مصائب وپریشانیوں کا مقابلہ کیا وہ آپ کی قوتِ برداشت، عفو ودرگذر، صبر وطمانیت ہے، زندگی کا ہر لمحہ صفت حلم سے متصف اور مزین ہے، ہمیں سیرت کا مطالعہ اس نہج سے کرنا چاہیے اور آج کے دور میں جب کہ برداشت کا مزاج ختم ہوتا جا رہا ہے، پہلے سے کہیں زیادہ اس حوالہ سے سوچنے، سمجھنے پڑھنے اور بتانے کی ضرورت ہے۔

یاد کیجئے، جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار کوہ صفا سے آواز لگائی تو ابولہب نے جو سلوک آپ کے ساتھ کیا، طائف کی گلیوں میں جن مراحل سے آپ کو گذرنا پڑا، کعبۃ اللہ میں نماز پڑھتے وقت جس طرح گلے میں پھندا ڈالا گیا، راستوں میں کانٹے بچھائے گیے اور جسم اطہر پر اوجھ اور غلاظت ڈالی گئی، عرب کی روایت کے خلاف عمرہ کی ادائیگی کے بغیر حدیبیہ سے آپ کی واپسی ہوئی، کفار مکہ کی شرطوں پر صلح حدیبیہ انجام پذیر ہوا، لیکن آپ نے حلم وبردباری کا دامن کہیں اور کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا، خدائی مدد کے باوجود آپ نے ان کے لیے بد دعائیں نہیں کیں، زبان مبارک سے جاری ہونے والے کلمے آج بھی رکارڈ ہیں، اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے نہیں جانتے اور امید بھرے یہ جملے بھی کہ ابھی یہ ایمان نہیں لائے، شاید ان کی نسلوں میں کوئی ایمان لے آئے، اس تحمل اور برداشت نے تپ تپا کر وہ ماحول بنا دیا کہ اسلام تیزی سے پھیلتا چلا گیا، وہ لوگ جو اسلام کے ماننے والے کو باپ دادا کے دین سے منحرف سمجھتے تھے، اسلام کی عظمت کو سمجھنے لگے اور اسلام ایک بڑی طاقت بن کر ابھرا۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تحمل اور برداشت بزدلی نہیں ہے، یہ کام کی حکمت عملی ہے، اس کے ساتھ اللہ کی نصرت اور مدد آتی ہے، اللہ رب العزت نے خود ہی اعلان کر رکھا ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، واقعہ یہ ہے کہ تحمل اور برداشت کمزور لوگوں کا کام نہیں ہے، اس کے لیے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے، آج سماج میں اس کی کمی ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے ہمارا خاندان، ہمارا پڑوس اور سماج سب ہم سے پریشان ہے، بات بات پر بھڑک جانا، ہماری عادت بن گئی ہے، نئی نسلوں میں یہ بیماری زیادہ عام ہو گئی ہے، اس لیے بڑے بوڑھے بھی ان سے ایک فاصلہ بنائے رکھتے ہیں، پتہ نہیں کب وہ بھڑک جائیں، ان کی مثال پٹرول کی ٹنکی کی طرح ہو گئی ہے جو جلد آگ پکڑ لیتی ہے اور سب کچھ جلا کر چھوڑتی ہے؛ اسی لیے پٹرول ٹنکی پر (Keep Distance) فاصلہ بنائے رکھیے، لکھا ہوتا ہے۔ ربیع الاول کے اس مہینے میں ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ''حلم'' (برداشت) اور محنت کے خصوصی میدان ''علم'' کی ترویج واشاعت پر خصوصی توجہ دی جائے؛ تاکہ امت مسلمہ کی ترقی سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہو سکے۔

نقیب کے خریداروں سے گذارش

اگر اس O دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم فوراً آئندہ کے لیے سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں، اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ نمبر پر ڈائرکٹ بھی سالانہ یا ششماہی زر تعاون اور بقایہ جات بھیج سکتے ہیں، رقم بھیج کر درج ذیل موبائل نمبر پر خبر کر دیں۔

A/C Name: THE NAQUEEB, A/C No: 10331726168
Bank: SBI, Branch J.C. Road, Patna, IFSC Code: SBIN0001233
Mobile: 9576507798

نقیب کے شائقین کے لئے خوشخبری ہے کہ اب نقیب مندرجہ ذیل سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر آن لائن بھی دستیاب ہے۔

Facebook Page: http//@imaratshariah
Telegram Channel: https://t.me/imaratshariah

اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے آفیشیل ویب سائٹ www.imaratshariah.com پر بھی لاگ ان کر کے نقیب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ مزید مفید دینی معلومات اور امارت شرعیہ سے متعلق تازہ خبریں جاننے کے لئے امارت شرعیہ کے ٹوئیٹر اکاؤنٹ @imaratshariah کو فالو کریں۔

(مینیجر نقیب)

WEEK ENDING-11/11/2019, Fax : 0612-2555280, Phone:2555351,2555014,2555668, E-mail: naqueeb.imarat@gmail.com, Web. www.imaratshariah.com,

نقیب قیمت فی شمارہ -/6 روپے ششماہی -/200 روپے سالانہ -/300 روپے